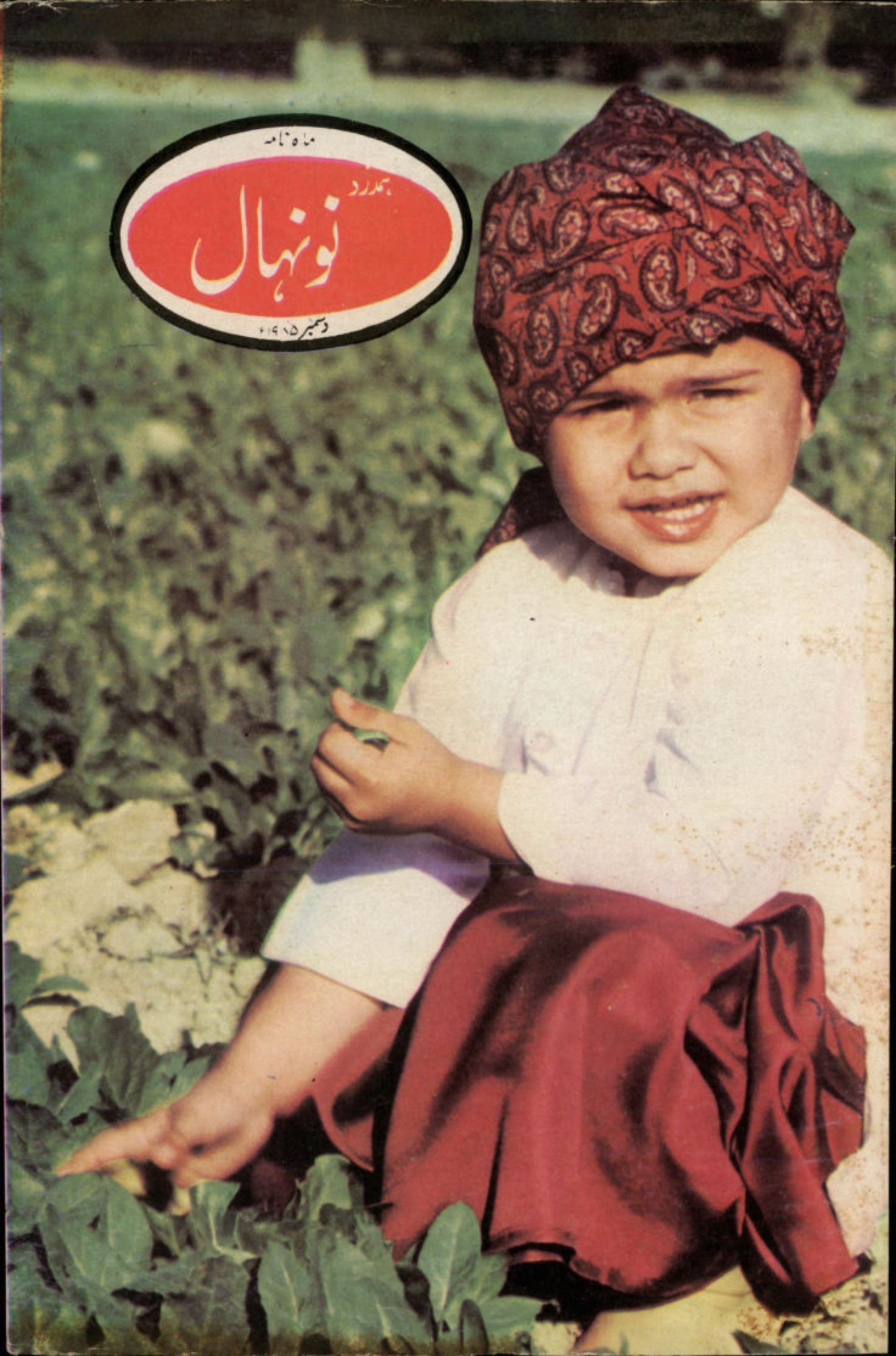
ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
دسمبر ۱۹۷۵ء

نونہال

ہمدرد گرائپ واٹر

بچوں کی صحّت
بہتر پرورش

نونہال ہمدرد گرائپ واٹر بچّوں کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، اسہال، قے، بے خوابی پیاس کی شدت وغیرہ کے لیے مفید و مؤثر دوا ہے۔ دانت آنے کے زمانے میں اس کا استعمال ضروری ہے۔

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

نونہال ہمدرد گرائپ واٹر

بچّوں کو مطمئن، مسرور اور صحّت مند رکھتا ہے

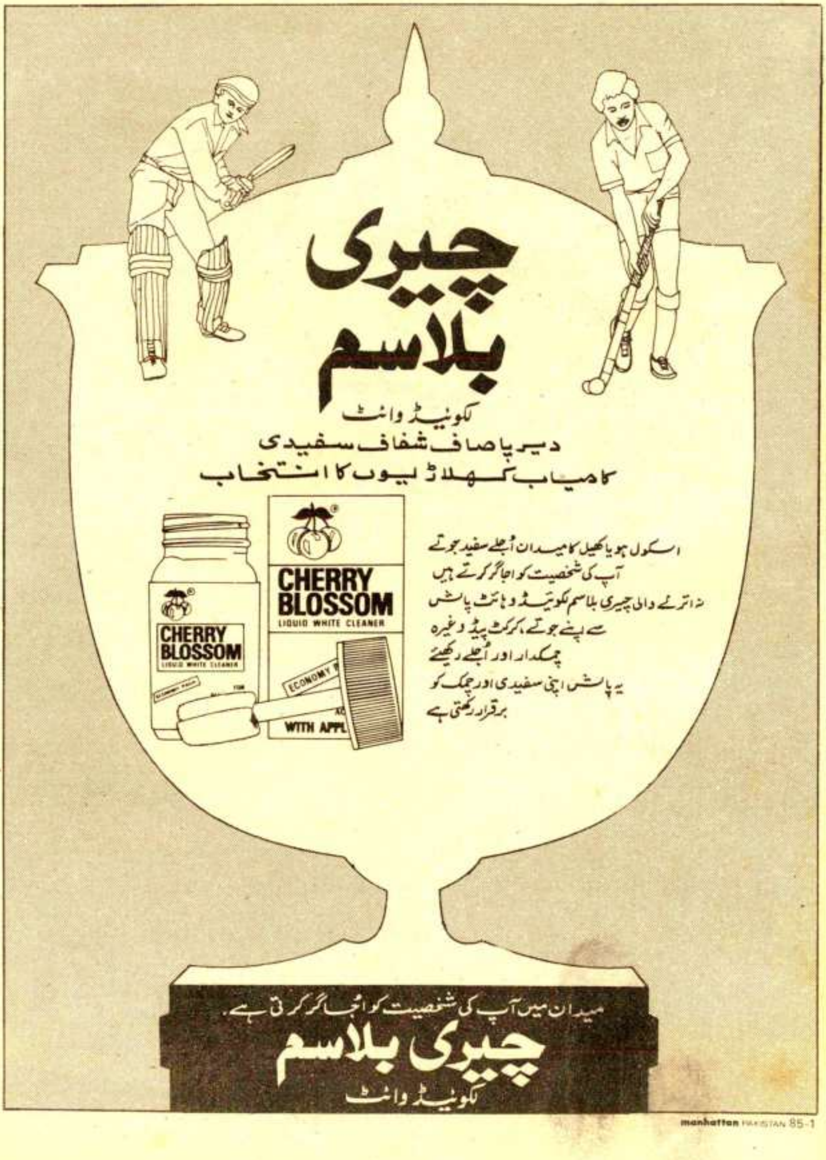

چیری
بلاسم
لکوئیڈ وائٹ
دیرپا صاف شفاف سفیدی
کامیاب کھلاڑیوں کا انتخاب
CHERRY BLOSSOM
LIQUID WHITE CLEANER
CHERRY BLOSSOM
LIQUID WHITE CLEANER
ECONOMY
WITH APPL
اسکول ہو یا کھیل کا میدان اُجلے سفید جوتے
آپ کی شخصیت کو اجاگر کرتے ہیں
نہ اترنے والی چیری بلاسم لکوئیڈ وہائٹ پالش
سے اپنے جوتے، کرکٹ پیڈ وغیرہ
چمکدار اور اُجلے رکھیئے
یہ پالش اپنی سفیدی اور چمک کو
برقرار رکھتی ہے
میدان میں آپ کی شخصیت کو اُجاگر کرتی ہے۔
چیری بلاسم
لکوئیڈ وائٹ

گولڈفِش
5
اسٹار بال پن
قومی مصنوعات
بین الاقوامی صِفات
• سُبک رو • آسان گرفت • زیادہ روشنائی
• نہایت دیدہ زیب • پائیداری میں بے مثال
گولڈفِش 5 اسٹار بال پن
جدید تقاضوں کے لیے جدید بال پن
Goldfish 5 STAR
شاہ سنز لمیٹڈ
ڈی-۸۸، سائٹ، منگھوپیر، روڈ، کراچی
فون: ۲۹۳۴۵۱-۲۹۳۴۵۲
Midas Khi

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

ٹیلے فون 616001 سے 616005

ہمدرد نونہال

مجلس ادارت

صدر مجلس — حکیم محمد سعید
مدیر اعلا — مسعود احمد برکاتی
مدیرۂ اعزازی — سعدیہ راشد

ربیع الاوّل — ۱۴۰۶ ہجری
دسمبر — ۱۹۸۵ عیسوی
جلد — ۳۳
شمارہ — ۱۲

فی کاپی — ۴ روپے
سالانہ — ۴۵ روپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۸۱ روپے

پتا :
ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد
کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا۔

اس رسالے میں کیا ہے؟

عنوان	مصنف	صفحہ
جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۵
پہلی بات	مسعود احمد برکاتی	۶
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۷
رسولِ پاک ؐ کی سادگی	جناب عبدالواحد سندھی	۹
بی مکھی (نظم)	جناب شان الحق حقی	۱۱
کھوٹا سکّہ	جناب شاکر عثمانی	۱۳
کارٹون	جناب شاق	۲۲
مینارِ عظمت	جناب شکیب الرحمٰن بابر	۲۳
طب کی روشنی میں	جناب حکیم محمد سعید	۲۵
تحفے	باذوق نونہال	۲۹
چالاک کمہار	جناب احمد جمال پاشا	۳۲
چندا ماموں کی کہانی	محترمہ سیر ینہ شاہ بانو	۳۹
ایک ادیب کی میز	جناب شوکت تھانوی	۴۲
قائدِ اعظم معمارِ قوم	محترمہ ثروت جبیں	۴۷
ہمدرد انسائکلو پیڈیا	جناب علی ناصر زیدی	۵۱
نونہال مصور	ننھے آرٹسٹ	۵۵
صحت مند نونہال	ادارہ	۵۶
بزم ہمدرد نونہال	جناب شہزاد منظر	۵۷
مسکراتے رہو	ننھے مزاح نگار	۶۹
گوٹو کا کارنامہ	جناب مناظر صدیقی	۷۳

- معلوماتِ عامہ ۲۳۶ ادارہ ۷۹
- انعامی کہانی کے نتائج ادارہ ۷۲
- اس شمارے کے مشکل الفاظ ادارہ ۷۸
- معلوماتِ عامہ ۲۳۴ کے جوابات ادارہ ۸۰
- نونہال ادیب ننھے لکھنے والے ۸۹
- بزم نونہال نونہال پڑھنے والے ۱۰۷

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہوسکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمے دار نہ ہوگا۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپواکر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد، ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ ہمارے لیے ہدایت کا سرچشمہ اور زندگی کا قانون ہے۔ یہ ہمیں زندگی کو صحیح طریقے سے گزارنے کے ڈھنگ بتاتا ہے۔ قرآنِ حکیم ہمارے پیارے نبی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے اُتارا تھا۔ آپؐ نے ہمیں بتایا کہ یہ اللہ کا کلام اور آخری پیغام ہے۔ اس کو صحیح ماننا یعنی اس پر ایمان لانا انسان کے لیے نجات کا باعث ہے۔ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور احکام ہی ہمیں نہیں بتائے بلکہ ان پر خود عمل کر کے بھی بتایا اور مکمل طریقے سے عمل کیا۔ آپؐ نے اپنی پاک زندگی اور پاکیزہ سیرت کا بہترین نمونہ ہمیں دکھایا، جس سے ہمیں صحیح طرح اور پوری طرح معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق کس طرح زندگی گزاری جاسکتی ہے۔ حضورؐ کی زندگی اور اعمال کو ہم اُسْوۂ حَسَنہ کہتے ہیں۔ اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ جو شخص حضورؐ کے نمونے کو جتنا زیادہ اپنے سامنے رکھتا ہے اور جس قدر زیادہ اس کے مطابق عمل کرتا ہے وہ اتنا ہی اچھا مسلمان ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم حضورؐ کے اُسْوۂ حَسَنہ کو اچھی طرح سمجھیں۔ اس کے لیے آپ کی پاک زندگی کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ کی سیرت پر ہزاروں چھوٹی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ نونہالوں کے لیے بھی سیرت پر اچھی اچھی کتابیں موجود ہیں۔ ان کتابوں کو پڑھو اور خوب غور سے پڑھو۔ ان کے پڑھنے سے تمھیں دین کے معنی معلوم ہوں گے اور یہ بھی معلوم ہو گا کہ اچھی زندگی کس طرح گزارنی چاہیے۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

سال ۱۹۸۵ء کا آخری شمارہ پیش ہے!

پہلی بات میں باتیں تو کہنے کی بہت سی ہیں، لیکن سب سے اہم بات علم کی ہے۔ علم ہی آدمی کی پہچان ہے اور علم ہی تہذیب کا دوسرا نام۔ علم حاصل کرنے کا سب سے آسان ذریعہ مطالعہ ہے۔ کتابوں کا مطالعہ رسالوں کا مطالعہ، اخباروں کا مطالعہ۔ ریڈیو اور ٹی وی بھی علم حاصل کرنے کے ذریعے ہیں اور یوں تو بزرگوں اور عالموں کی صحبت میں بیٹھنے، ان کی باتیں سننے، ان سے باتیں کرنے، سفر کرنے، دنیا دیکھنے، شہر شہر گھومنے، قدرت کے مناظر دیکھنے سے بھی علم بڑھتا ہے، لیکن میرے خیال میں ان سب سے آسان ذریعہ مطالعہ کرنا ہی ہے۔ اس لیے ہمیں اس آسانی سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے اور خوب پڑھنا چاہیے۔ خاص طور پر طالب علموں کے لیے تو کتاب ہی زندگی ہے۔ اس لیے ان کے لیے تو یہی بہترین پیغام ہے کہ

پڑھو، پڑھو اور پڑھو

کہانیوں کے انعامات کا فیصلہ ہو گیا ہے اور نتائج اس شمارے میں شامل ہیں۔ فیصلہ کرنے میں محترم منصفین کو بڑی محنت کرنی پڑی اور بہت وقت لگا، لیکن پوری کوشش کی گئی ہے کہ فیصلہ منصفانہ ہو۔ میں چاروں منصفین کا اپنی طرف سے اور تمام نونہالوں کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے انصاف کرنے کے لیے اپنا اتنا قیمتی وقت دیا۔

آپ کو یہ فیصلہ اسی ذہن سے پڑھنا اور قبول کرنا چاہیے کہ یہ فیصلہ صحیح ہے اور کسی کی حق تلفی نہیں کی گئی ہے۔ انعام تو ظاہر ہے کہ چند ہی کو ملتا ہے، لیکن جیسا کہ میں لکھتا رہا ہوں اصل انعام تو خود کام ہوتا ہے ایک بات یہ بھی ہے کہ اپنی چیز ہر ایک کو اچھی لگتی ہے اور تحریر تو بالکل اولاد کی طرح ہوتی ہے۔ اپنی اولاد کسے پیاری نہیں ہوتی۔ جن نونہالوں نے کہانیاں لکھیں اُن میں سے ہر ایک کو انعام کی امید ہو گی کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ جن نونہالوں کی امیدیں پوری نہیں ہوئیں وہ مایوس نہ ہوں بلکہ اور زیادہ امید اور پکّے ارادے کے ساتھ اپنا شوق جاری رکھیں۔ شوق محنت سے فن بن جاتا ہے۔ آیندہ مہینے سے قسط وار اُن نونہالوں کے نام بھی شائع کیے جائیں گے جن کی کہانیاں کسی نہ کسی لحاظ سے اچھی ہیں۔ ایسے نام بھی سیکڑوں ہیں اور زیادہ اچھی کہانیاں بھی شائع کی جائیں گی ـــــ اچھا اب اگلے سال ملیں گے۔

نیا ٓرا کے پھول

◆ حضور اکرمؐ: جس شخص کے پڑوسی اس کی برائیوں سے محفوظ نہ ہوں وہ جنّت میں نہیں جائے گا۔

مرسلہ: فہمیدہ ریاض، لاہور

◆ حضرت مجدّد الفِ ثانیؒ: اپنی حاجت پر دوسروں کی حاجت کو مقدّم رکھنا ہی حقیقی مہربانی ہے۔

مرسلہ: عرفانہ بشیر، ڈیرہ غازی خاں

◆ سرسید احمد خان: داناؤں کے رجسٹر میں "کل" کا لفظ نہیں ملتا البتہ بے وقوفوں کی جنتریوں میں بہ کثرت سے مل سکتا ہے۔

مرسلہ: ڈبلیو۔ اے شرجیل، گھوٹکی

◆ برنارڈ شا: کردار ایک ایسا ہیرا ہے جو پتھّر کو کاٹ سکتا ہے۔

مرسلہ: سیف اللہ، چمن

◆ ارسطو: تم دوسروں کے ساتھ جو نیکی کرتے ہو اور دوسرے تمھارے ساتھ جو برائی کرتے ہیں ان دونوں کو بھول جاؤ۔

مرسلہ: محمد آصف انصاری، کراچی

◆ تھورلیو: دوستی کی زبان کے الفاظ نہیں ہوتے، لیکن معنی ہوتے ہیں۔

مرسلہ: صفیہ ہادی، کراچی

◆ حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ: جس نے خدا کو پہچان لیا، اس کے لیے کوئی چیز غیب نہیں رہتی۔

مرسلہ: محمد احسان

◆ حضرت امام جعفرؒ: غذا سے جسم کو اور قناعت سے روح کو راحت پہنچتی ہے۔

مرسلہ: مہربان اعظم، ڈیرہ اسماعیل خان

◆ گاندھی جی: بے اعتمادی سے کام کرنا اندھے کنوییں میں گرنا ہے۔

مرسلہ: علی خرم، اسلام آباد

◆ ٹامس براؤن: میں ان سے حسد نہیں کرتا۔ جنھیں مجھ سے زیادہ علم ہے، لیکن اُن پر رحم آتا ہے جن کے پاس مجھ سے کم علم ہے۔

◆ گوئٹے: سب لوگ دوسروں کے مالک تو بننا چاہتے ہیں، لیکن اپنا مالک کوئی نہیں بنتا۔

مرسلہ: ناصر بشیر راٹھور، ملتان

◆ ٹیگور: تجربہ مفت ملنی والی چیز نہیں۔ اس کے لیے وقت اور عمر گنوانی پڑتی ہے۔

مرسلہ: فرقان احمد، مقام نامعلوم

◆ فرینکلن: زندگی اور صحّت تھوڑی آمدنی پر بھی قائم رکھی جاسکتی ہے۔

مرسلہ: سرفراز صاحب خان، بسنی مکران

◆ ہنری فورڈ: بہترین حکومت وہ ہے جو حکومت نہ کرے بلکہ خدمت کرے۔

مرسلہ: روزینہ وحید، مقام نامعلوم

تمام طلباء و طالبات کی دلپسند

نوٹ بکس

پی پی پی برانڈ

ملک بھر کے یوٹیلیٹی اور کینٹین اسٹورز اور اسٹیشنری کی
دوکانوں میں مقررہ داموں پر دستیاب ہیں۔

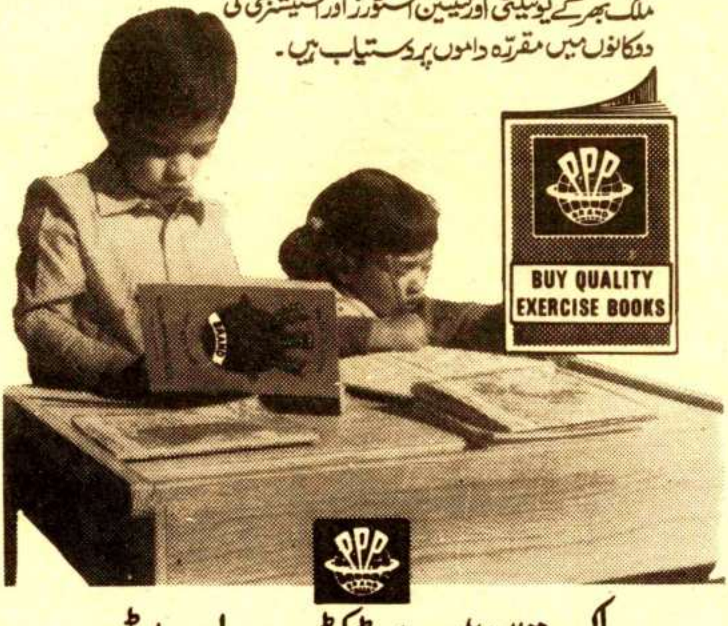

پاکستان پیپر پروڈکٹس لمیٹڈ

پوسٹ بکس نمبر ۷۴۳۸ ۔ کراچی ۳

786/PPP-16/84

رسول پاکؐ کی سادگی

عبدالواحد سندھی

رسول پاکؐ کی زندگی اوّل سے آخر تک انوکھے حالات میں گزری۔ بچپن میں آپؐ یتیم ہو گئے۔ دادا اور چچا نے پرورش کی۔ جوان ہوئے تو کچھ دن غریبی کی حالت میں بسر کیے۔ پھر اللہ میاں نے آپ کو تجارت میں برکت دی۔ چالیس سال کی عمر میں آپؐ کو آخری رسول بنایا گیا۔ اس کی وجہ سے سارا مکّہ آپؐ کا دشمن ہو گیا۔ پورے تیرہ سال آپؐ نے تکلیفوں اور پریشانیوں میں گزارے۔ نہ دن کو آرام نہ رات کو چین۔ اس مخالفت کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ میں جا رہے۔

مدینے میں بھی شروع میں آپؐ کو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر آخر میں اللہ میاں نے آپؐ کو اپنے کام میں کامیاب کر دیا۔ وہ یہ کہ سارے عرب نے آپؐ کی تعلیم کو مان لیا۔ اب آپؐ دین اور دنیا کے بادشاہ تھے، مگر ایک ایسی بات ہے جو دنیا کے کسی شہنشاہ میں نظر نہیں آتی وہ یہ کہ آپؐ نے ہمیشہ سادہ زندگی بسر کی۔

رسول پاکؐ ہمیشہ سادہ، صاف کپڑے پہنتے تھے۔ آپؐ کرتہ، جُبّہ، تہمد اور پگڑی استعمال کرتے تھے۔ یہ کپڑے سُوتی ہوتے تھے۔ ریشم کو آپؐ نے اپنے اور اپنی اُمّت کے مَردوں کے لیے حرام کر دیا۔ آپؐ کے کپڑوں میں ذرا بھڑک اور نمائش نہ ہوتی تھی۔ اگرچہ ان کپڑوں میں پیوند لگے ہوتے تھے، پر صاف ستھرے اور سفید براق ہوتے۔ آپؐ کے جوتے بھی معمولی چمڑے کے ہوتے تھے۔

گھر میں ایک موٹے سے بستر پر آپؐ رات کو کچھ آرام فرماتے، پھر باقی رات نماز پڑھتے اور اسلام کی ترقی کے لیے اللہ میاں سے دُعائیں مانگتے رہتے۔ ایک رات آپؐ کی بیوی حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے بستر کی چادر تہیں کر دیں، تاکہ آپؐ آرام سے سو سکیں۔ آپؐ نے صبح بستر کے بارے میں پوچھا تو حضرت عائشہؓ نے کہا، "وہی آپؐ ہی کا بستر تھا، مگر اس کی چادر تہیں کر دی تھیں، تاکہ زیادہ آرام ملے۔" آپؐ نے فرمایا، "اسے تو پہلے ہی جیسا کر دو۔ اس بستر نے رات مجھے نماز سے روکا۔"

آپؐ اپنا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرتے۔ اپنے کپڑے خود ہی سی لیتے۔ اپنی جوتیوں کو خود گانٹھ لیتے۔ مسجد اپنے ہاتھ سے صاف کر دیتے۔ مدینے میں جب مسلمان مسجد بنا رہے تھے تو آپؐ بھی اور مسلمانوں کی طرح اینٹیں اور گارا لاتے۔ اسی طرح جب کسی لڑائی میں کوئی کام ہوتا تو اُسے بھی آپؐ سب مسلمانوں کے ساتھ مل کر کرتے۔ آپؐ اپنے خادموں سے زیادہ کام نہ لیتے تھے۔ کبھی کبھی تو اُن کو آرام پہنچانے کی خاطر اُن کا کام خود کر دیتے تھے۔

کھانا ہمیشہ سادہ کھاتے۔ آپؐ کی روز کی غذا جَو کی روٹی تھی اور وہ بھی کبھی پیٹ بھر کر نہ کھاتے، اس لیے کہ آپ ہمیشہ بھوکوں کو کھلاتے اور خود بھوکے رہتے۔ آپؐ کی بیوی حضرت عائشہؓ جب آپؐ کے انتقال کے بعد کھانا کھاتیں تو رو دیتیں۔ حضرت عائشہؓ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ رسول پاکؐ نے اپنی عمر میں پیٹ بھر کر کبھی کھانا نہ کھایا۔ آپؐ کے سامنے جو کھانا موجود ہوتا اسے کبھی بُرا نہ کہتے۔ اگر آپؐ کو پسند نہ ہوتا تو چھوڑ دیتے۔ کھجور اور شہد آپؐ کو بہت پسند تھا۔ آپؐ رہنے سہنے میں ہمیشہ صفائی رکھتے تھے۔

آپؐ کو گدھے اور خچّر کی سواری سے بھی عار نہ تھا۔ خیبر کی فتح کے دن آپؐ خچّر پر سوار تھے۔ آپؐ اونٹ اور گھوڑے کے شہ سوار تھے۔ غرض آپؐ کی زندگی بڑی سیدھی سادی تھی۔ بناوٹ اور دکھاوا نام کو بھی نہ تھا۔

آپؐ اپنے رشتے داروں کو بھی سادہ زندگی بسر کرنے کی ہدایت فرماتے رہتے تھے۔ آپؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو اپنے گھر کے کام کاج کی وجہ سے سخت محنت کرنی پڑتی تھی۔ چکّی بھی خود پیستی تھیں۔ پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے ایک دن آپؐ سے عرض کیا، "مجھے کوئی لونڈی یا غلام دیا جائے۔" رسول پاکؐ نے اپنی بیٹی سے فرمایا، "پہلے غریب اور محتاج مسلمانوں کا بندوبست ہو جائے۔"

رسول پاکؐ کی یہ سادگی اس وجہ سے نہ تھی کہ آپؐ کے پاس کچھ نہ تھا۔ نہیں، آپؐ کے پاس اللہ میاں کا دیا سب کچھ تھا۔ آپؐ عرب میں دین اور دنیا کے بادشاہ تھے۔ آپؐ کی آمدنی اتنی تھی کہ آرام سے امیروں اور بادشاہوں کی طرح رہ سکتے تھے، مگر آپ جو کچھ خرچ کرتے وہ دوسروں کی بھلائی کے لیے اور اسلام کی ترقی کے لیے کرتے۔ آپؐ اپنی سادہ زندگی سے مسلمانوں کے لیے عملی نمونہ قائم فرما گئے۔

بی مکھّی

شان الحق حقّی

بھن بھن کرتی آئی مکھّی
یہ شے چکھّی وہ شے چکھّی

ہٹ نہیں سکتی کچھ بھی کر لو
نام ہے اس کا اللہ رکھّی

اِس کو تو بھیجا ہے خدا نے
ہم کو خاص سبق سکھلانے

جو رہتے ہیں گندے سندے
اُن کو سخت سزا دلوانے

صاف گھروں میں یہ نہیں آتی
صاف محلّوں میں نہیں جاتی

ورنہ ہیضہ، پیچش، دِق، سِل
سارے روگ یہی ہے لاتی

دیتی ہے یہ جا کر انڈے
کچرے ہی کے ڈھیر کے نیچے

کوڑا ڈھک کے رکھیں جس گھر میں
پاؤں وہاں نہیں جمتے اس کے

کرتی ہے اعلان کہ لوگو!
مجھ کو روک سکو تو روکو

گھر کو صاف اور ستھرا رکھو
کوسنے کیوں ہو، جینا سیکھو

ABL

سرزمینِ پاکستان پر پہلا بینک

الائیڈ بینک

پاکستان کی زرعی معیشت کا ایک اہم عنصر

الائیڈ بینک نے بینکاری کی ابتدا ۱۹۴۲ء
میں کی۔ اس طرح سے سرزمینِ پاکستان پر اس کو پہلا بینک ہونے کا اعزاز
حاصل ہے۔ الائیڈ بینک پاکستانی معیشت کا ایک اہم جزو ہے۔ بالخصوص زرعی
ترقی میں اس نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ منڈیوں، اہم تجارتی مرکزوں اور شہروں میں
ہمارا مستعد اور پیشہ ور عملہ جدید بینکاری کے اصولوں کے ساتھ قومی اور بین الاقوامی سطح پر بینکاری
کی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔

ABL

الائیڈ بینک
آف پاکستان لمیٹڈ
— خدمت کے ایک نئے جذبے کے ساتھ

PID - Islamabad

DRAGON

کھوٹا سکّہ

شاکر عثمانی

کنور نواب علی حسبِ معمول کئی مہینوں کے بعد اپنی کوٹھی سے اپنی زمینوں پر آئے تھے۔ تین گاؤں رحمت پور، جہانگیر پور اور سرائے طالب پور آس پاس تھے اور یہ تینوں گاؤں نواب عثمان علی خاں کی جاگیر میں تھے۔ نواب صاحب مَر چکے تھے اور تیرہ چودہ برس کے کنور نواب علی اس جاگیر کے مالک تھے۔ کسانوں کو خوب معلوم تھا کہ جب بھی نواب صاحب آتے ہیں انعام واکرام کی ایسی بارش ہوتی ہے کہ غریبوں کی چاندی ہو جاتی ہے۔

کنور نواب علی بڑے لحیم شحیم نوجوان تھے۔ اور بلا کے خوب صورت بھی، دِل کے بڑے اچھے تھے۔ کسی کو دُکھ درد میں دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ اگر کوئی ان کے سامنے رو پڑتا تو پھر کنور صاحب جب تک اسے خوش کر کے ہنسا نہ دیا کرتے اس وقت تک انھیں چین نہ آتا تھا۔

اس بار بھی کنور صاحب جب گھر سے چلے تھے تو امّی حضور سے وہ تھیلی لے کر آئے تھے جس میں نقرئی سکّے بھرے ہوتے تھے۔ اِن دِنوں چاندی کا رُپیہ چلتا تھا۔ اس تھیلی میں تین چار ہزار کی رقم ہوا کرتی تھی۔ جب تک کنور صاحب جاگیر پر قیام کرتے اور اس پوری رقم کو علاقے کے غریبوں میں تقسیم نہ کر دیتے وہاں سے جاتے نہیں تھے۔ گاؤں کے لوگوں پر کنور صاحب کے بے پناہ احسانات تھے۔ وہ انھیں محض نواب زادہ یا جاگیر دار سمجھ کر ہی عزّت نہ کرتے تھے بلکہ کنور صاحب دراصل اِن کے دِلوں پر حکومت کیا کرتے تھے۔

ان دِنوں جب سے کنور صاحب گاؤں میں تھے۔ تینوں گاؤں دلھن کی طرح سجے ہوئے لگتے تھے۔ ہر طرف صفائی ستھرائی اور سجاوٹ کے سامان کیے گئے تھے۔ گھروں کے سامنے بانس، بلّیاں گاڑھ کر ہری بھری شاخوں اور پھولوں کی ڈالیوں سے دروازے بنائے گئے

تھے۔ وہ اپنے کسانوں سے بہت خوش تھے۔ یہی وہ موقع ہوتا تھا جب وہ رُپوں والی تھیلی پاس رکھا کرتے تھے۔ پھر راستے میں جہاں وہ رُکتے اگر انھیں کوئی پریشان حال کسان نظر آتا یا کوئی ان سے سوال کر دیتا تو کنور صاحب فوراً تھیلی میں ہاتھ ڈال کر جتنے رُپے ہاتھ میں آتے اُس کے حوالے کر دیتے۔ وہ مٹھی بند کر کے دیتے اس طرح کہ برابر والے کو خبر نہ ہوتی کہ کنور صاحب نے ضرورت مند کو کتنی رقم دی ہے۔ اس معاملے میں وہ یہ تمیز بھی نہ کرتے کہ مانگنے والا ہندو ہے یا مسلمان۔ ذات برادری والا ہے یا چھوٹی ذات کا ہے۔

کنور صاحب نے واپسی کا اعلان کر دیا اور تیاریاں مکمل ہو گئیں تو ایک دن پروگرام کے مطابق کنور صاحب کسانوں سے الوداعی ملاقات کر کے اپنی گھوڑی پر سوار ہو گئے۔ سرخ رنگ کی یہ گھوڑی اعلا نسل کی تھی اور اس کی پرورش ان کے اپنے اصطبل میں ہوئی تھی۔ وہ بے زبان تو تھی، مگر کنور صاحب کے تو گویا دل کی باتوں کو جان لیا کرتی تھی، اسی لیے کنور نواب علی کو یہ گھوڑی بہت عزیز تھی۔ نوکر چاکر اس گھوڑی کو "سرخی" کہتے تھے اور اچھی طرح دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔

دیہاتوں کے درمیان ایک بہت چوڑی سی کچّی سڑک تھی۔ گاؤں والے اسے رگڑا کہا کرتے تھے۔ یہ رگڑا متعدد دیہاتوں اور نگلوں کے آس پاس سے گزر کر بلرام اور پھر کاس گنج تک جاتا تھا۔ ان دنوں چھوٹی چھوٹی بستی کو نگلا کہا جاتا تھا۔

اس وقت بھی کنور صاحب کے ساتھ پورا ایک قافلہ چل رہا تھا۔ ان کے مستقل ملازموں کے علاوہ بہت سی بیل گاڑیاں اس قافلے میں شامل تھیں۔ ان گاڑیوں پر اناج اور گاؤں کے لوگ سوار تھے۔ یہ سب لوگ نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے کنور صاحب کے ساتھ "چھوٹی بیگم" کو سلام کرنے جا رہے تھے۔ کنور صاحب کی والدہ کو عام لوگ چھوٹی بیگم کہتے تھے۔

سرائے طالب اور اس کے دو نگلوں سے آگے بڑھے تو اب کنور صاحب کی جاگیر ختم ہو رہی تھی اور سرحد آ گئی تھی۔ یہاں پر ایک بڑا سا کنواں تھا۔ یہ کنواں درختوں کے ایک جُھنڈ کے نیچے تھا، اس لیے کنواں ڈھکا رہتا تھا۔ پتھر کے اس کنویں کا پانی بے حد ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ یہ کنواں قُرب و جوار میں دُور دُور تک مشہور ہو گیا تھا۔ جو مسافر ادھر سے گزرتا وہ

تھوڑی دیر وہاں ضرور رُکا کرتا۔ دم لے کر اور تازہ ٹھنڈا پانی پی کر مسافر پھر سے تازہ دم ہو جایا کرتے تھے۔ کنور صاحب نے اس کنویں پر لوہے کی دو بڑی بالٹیاں زنجیروں کے ساتھ فِٹ کرادی تھیں۔ ایک طرف ایک سبیل بھی بنوائی گئی تھی جسے پانی سے بھر دیا جاتا تھا۔

اس طرف ہندوؤں کی آبادی مسلمانوں سے زیادہ تھی۔ اس لیے کنور صاحب نے ان کے لیے ایک "پیاؤ" کا انتظام کر دیا تھا۔ اس سبیل میں دو ملازم تھے، جو باری باری بڑے لوٹے سے لوگوں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ عام طور سے لوگ ان کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور ہاتھوں کا چلّو بنا کر منھ سے لگا لیا کرتے۔ اس چلّو میں پیاؤ والا لوٹے کی دھار سے پانی ڈالا کرتا اور جب وہ سیراب ہو جاتا تو اشارہ کرتا ہوا ہاتھوں کو منھ کے پاس سے ہٹا لیا کرتا۔

جب کنور صاحب یہاں رُکے تو قافلہ رک گیا۔ سب نے پانی پیا۔ کنور صاحب دوبارہ گھوڑی پر سوار ہوئے تو ان کی نگاہ کچھ فاصلے پر ایک جگہ پر ٹِک گئی۔ یہ کھیت کی چھوٹی سی مُنڈیر تھی۔ کھیت میں فصل کھڑی تھی اور منڈیر پر چودہ پندرہ برس کا ایک لڑکا آنتی

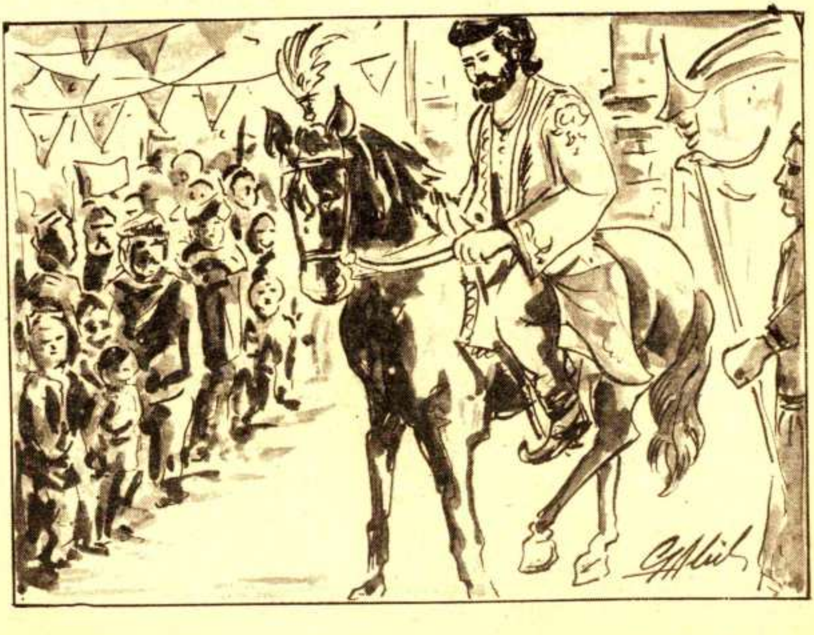

پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بڑا خستہ حال اور مسکین سا نظر آیا اور اس وقت وہ کنور صاحب کو دیکھے جا رہا تھا۔ وہ کنور صاحب کا ہم سن تھا اور اس کی حالت کچھ ایسی تھی کہ کنور نواب علی برداشت نہ کر سکے۔ گھوڑی کی راسیں ایک ملازم کو دے کر وہ دھیرے دھیرے اس لڑکے کی طرف بڑھے۔ لڑکا برابر انھیں دیکھے جا رہا تھا۔ جب کنور صاحب نے قریب جا کر سلام کیا تو وہ ہڑبڑا کر چونک پڑا۔ گھبرا کر سلام کا جواب دیا اور ندامت کی وجہ سے اس کا سَر جھک گیا۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ اب کنور نواب علی اس سے چند انچ کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ "ہم آپ کا نام پوچھ سکتے ہیں؟" نواب صاحب نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"میرا نام؟" لڑکا چونکا، "میرا نام کھوٹا سکّہ ہے سرکار۔"

"کھوٹا سکّہ؟" نواب صاحب نے دہرایا۔ پھر لڑکے کے پیروں پر ان کی نگاہ ٹک گئی۔ دراصل لڑکا اپنی دونوں ٹانگوں سے معذور تھا۔ اب تو کنور صاحب کو اور بھی دل چسپی پیدا ہو گئی۔ وہ اصرار کرنے لگے:

"میاں کچھ نام بھی ہو گا تمھارا؟"

"ماں باپ نے تو ساجد نام رکھا تھا مگر میں تو سجدہ بھی نہیں کر سکتا۔ جب سے یہ حال ہے۔ دنیا نے بھی میرا ایک نام رکھ دیا ہے۔ لوگ مجھے لُولا کہتے ہیں۔ چوں کہ یہ نام میری حالت کے مطابق ہے اس لیے اب ساجد کے بجائے میں لولا ہوں۔ اب تو حضور، یہ نام مجھے اپنی حقیقت جیسا لگنے لگا ہے۔"

"بہت گہری باتیں کرتے ہو۔" کنور صاحب ساجد کی باتوں سے خوش ہو گئے۔ پھر انھیں کچھ خیال آگیا، "تمھارا گھر بار......؟"

ساجد غریب کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس کا جی بھر آیا تھا۔ آنکھیں بھیگ گئیں۔ کنور صاحب سمجھ گئے کہ وہ بے سہارا ہے۔ بولے: "ہم نے یوں ہی پوچھ لیا تھا۔ اس سے تمھاری دِل آزاری ہوئی ہے تو ہم معافی چاہتے ہیں۔" کنور صاحب نے اتنے خلوص سے بات کی کہ ساجد ان کا منھ تکتا رہ گیا۔ وہ تو ایک بھکاری کی طرح راستے میں بیٹھا تھا بھیک پر ہی اس کا ایک مدّت سے گزارہ تھا۔ اس کا باپ مر چکا تھا۔ اس کی ماں کو دوسری شادی کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس نے ایک رات زہر کھا کر خود کشی کر لی تھی۔ وہ پیدائشی معذور تھا۔

جسم کی نسبت سے اس کی ٹانگیں بہت پتلی اور چھوٹی رہ گئی تھیں۔ عزیزوں نے تنگ آکر ساجد کو ایک دن اس کنویں کے پاس بٹھا دیا تھا کہ لوگ ترس کھا کر اسے کچھ کھلا پلا دیا کریں گے اور لوگ واقعی ایسا ہی کرتے تھے۔

کنور صاحب ساجد کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ وہ ساجد سے کہنے لگے:

"ساجد، اگر تم چاہو تو ہم تمھیں اپنے ساتھ گھر لے جائیں۔ امّی حضور بھی اس بات سے خوش ہوں گی۔ ہمیں یہ سبق ان کا ہی پڑھایا ہوا ہے۔" لولا تو یہی چاہتا تھا مگر اسے ڈر لگ رہا تھا۔ وہ کہنے لگا، "سرکار، میں ایک بدنصیب آدمی ہوں۔ جہاں جاتا ہوں بدنصیبی ساتھ جاتی ہے۔ خدانخواستہ آپ پر بھی میری نحوست کا سایہ ....." کنور صاحب نے اسے خاموش کر دیا۔ کنور صاحب اس کی بات کاٹ کر بولے، "دیکھو میاں! ہم مسلمان ہیں اور ایسی باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ تم یہ بتاؤ کہ ہمارے ساتھ رہو گے؟"

"حضور، کسی اندھے کو اگر دو آنکھیں مل جائیں تو یہ اس کے لیے معراج ہوتی ہے۔"

ساجد کی بات کنور صاحب کے دل میں اُتر گئی۔ کتنی سچائی ہے اس کی باتوں میں۔ وہ سوچ رہے تھے، ضرور یہ بچّہ کسی شریف گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔

کنور صاحب کی خواہش پر لُولا کو کنور کے خاص تانگے میں سوار کرا دیا گیا۔ اس میں ضلع دار حشمت خاں بیٹھا کرتا تھا۔ حشمت خاں کنور صاحب کی جاگیر کا اعلا منتظم تھا اور اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ لولا ایک بدنصیب بچّہ تھا۔ بھیک پر اس کا ایک مدّت سے گزارہ تھا۔ وہ رگڑے پر بے یارومددگار بیٹھا رہتا تھا اور آنے جانے والوں کو رحم طلب نظروں سے دیکھا کرتا تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک دم اس کی زندگی میں یکایک اتنا بڑا انقلاب آجائے گا۔ مگر انقلاب تو آچکا تھا۔ اب وہ کچّی منڈیر کے بجائے قالین پر بیٹھا تھا اور دونوں طرف گاؤ تکیہ لگا ہوا تھا۔ راستہ کچّا تھا، اس لیے تانگہ جو چھوٹی سی بیل گاڑی ہی تھا، اُچھلتا دھچکے کھاتا ہوا چل رہا تھا۔ حشمت خان نے کنور صاحب کی دل چسپی دیکھ کر لولا کے لیے ایسا انتظام کر دیا کہ اب تانگے کو چاہے کتنے ہی دھچکے لگیں لُولا کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ اس بات کو کنور صاحب نے بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

بڑے سے پھاٹک سے گزر کر یہ قافلہ "گڑھی عثمان" والی بلند و بالا عمارت کے سامنے وسیع صحن میں ٹھیر گیا۔ ملازم دوڑ پڑے اور کسانوں کی مدد سے جملہ کام سرانجام پا گئے۔ لُولا کو ایک ملازم نے گود میں اُٹھا کر ایک خوب صورت چوکی پر بٹھا دیا۔ اس چوکی پر آرام دہ بچھونا پہلے سے موجود تھا۔ اس پر معزز مہمانوں کو بٹھایا جاتا تھا۔ ساجد کو یہ چوکی کنور صاحب کے اشارے پر ملی تھی۔ ساجد حیران ہو کر اس عظیم الشان عمارت اور وہاں کے ساز و سامان کو دیکھ رہا تھا اور دم بخُود تھا۔ کنور صاحب نے امی حضور کو پوری بات بتائی تو انھیں بھی اس معذور غریب بچّے کو دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔ چھوٹی بیگم کبھی مردانے میں تشریف نہیں لے جاتی تھیں مگر انھوں نے سوچا کہ معذور بچّے کو یہاں بُلانے سے اُسے تکلیف ہو گی۔ یہ سوچ کر چھوٹی بیگم نے مردانے کو مردوں کے لیے بند کر دیا۔ یہ کچھ دیر کے لیے تھا۔ تمام ملازم وہاں سے ہٹا دیے گئے۔ ملازم عورتیں وہاں لگ گئیں۔ چند عورتوں کے ساتھ جب چھوٹی بیگم اور کنور صاحب ساجد کے پاس پہنچے تو وہ پنسل سے کاغذ پر کچھ بنا رہا تھا۔

ان سب کو دیکھ کر غریب ٹُولا گھبرا گیا۔ جلدی سے ہاتھ کو ماتھے پر لے جا کر سلام کیا۔ سوچنے لگا، کاش پیر بھی ہوتے تو کھڑے ہو کر آداب کرتا۔ "جیتے رہو بیٹا"، قریب آ کر بیگم صاحبہ نے محبّت سے اس کے سَر پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر کنور صاحب سے کہنے لگیں، "یتیم کے سر پر ہاتھ رکھنا سنّت ہے بیٹا۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ یتیموں کے دِل کو ٹھیس پہنچائے بغیر پالنا پوسنا عبادت سے کم نہیں ہے، کیوں کہ یہ ہمارے نبیؐ اور ہمارے دین کا حکم ہے۔

"یہ تم کیا کر رہے تھے ساجد؟" اب چھوٹی بیگم کی نگاہ اس کاغذ پر پڑی جو اب تک ٹُولا کے سامنے پڑا تھا۔ پنسل بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔ بیگم صاحبہ نے چونک کر کاغذ اُٹھا لیا۔ وہ حیران ہو کر کاغذ کو دیکھ رہی تھیں۔ جب کنور نواب علی نے بھی کاغذ دیکھا تو حیرت سے ان کا بھی منھ کُھلا کا کُھلا رہ گیا۔

کاغذ کے پرزے پر لکیروں کے اسکیچ کی شکل میں کنور نواب علی کی تصویر موجود تھی اور یہ ساجد کے فن کا کمال تھا۔

"اوہ، تم تو اچھے خاصے فن کار ہو ساجد۔" اپنی تصویر دیکھ کر کنور صاحب بڑی محبت سے اس لڑکے کو دیکھنے لگے۔ جو بہ ظاہر معذور تھا اور ان کا دستِ نگر بن کر آیا تھا۔ انھوں نے کہا، "ہم تمھارے فن کو جِلا بخشیں گے ساجد۔ ان شاء اللہ ایک دن تم اس ملک کے بڑے آرٹسٹ کہلاؤ گے۔"

ساجد بہت خوش تھا۔ خوب صورت انداز میں اس کی ملاقات کا یہ منظر ختم ہوا۔ اسے باعزّت مہمان اور گھر کے ایک فرد کی حیثیت دے دی گئی۔ چھوٹی بیگم نے دو ملازم ساجد کی ہر وقت دیکھ بھال پر مقرر کر دیے۔ اس کی ضروریات پلک جھپکتے پوری کر دی جاتی تھیں۔ اب اسے یقین آ گیا تھا کہ قسمت اس پر مہربان ہو گئی ہے، لیکن دل میں ایک خوف سا اب بھی موجود تھا۔ دراصل ساجد کو اپنی بدنصیبی کا وہم ہو گیا تھا۔ وہ سوچتا تھا، میری وجہ سے کہیں کنور صاحب کسی مصیبت میں نہ آ جائیں۔

کنور نواب علی اب شہر جانے والے تھے۔ چھٹیاں ختم ہو گئی تھیں۔ شہر میں کنور صاحب کا ایک خوب صورت مکان اور چند ملازم موجود تھے۔ جب سے ساجد نے یہ بات سنی تھی وہ اُداس رہنے لگا تھا۔

"حضور، آپ چلے جائیں گے تو میرا جی نہیں لگے گا۔" وہ ایک دن کہنے لگا۔
"کیوں؟ یہاں تمھیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی ساجد۔" وہ بولے۔
"میں جانتا ہوں۔" ساجد اُداس ہو گیا۔ "مگر..... کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں بھی آپ کے ساتھ شہر چلوں۔"
"مگر تم وہاں کیا کرو گے ساجد میاں؟" کنور صاحب نے پوچھا۔
"میں؟" وہ کچھ سوچ کر بولا، "میں مصوری سیکھوں گا۔ آپ کی مہربانی سے اگر میں کامیاب ہو گیا تو اپنی دنیا خود پیدا کر سکوں گا۔"
کنور نواب علی دَم بہ خود رہ گئے۔ مگر بہت خوش تھے۔ ساجد اگرچہ معذور تھا، مگر صرف پیروں سے، اپنے ذہن اور اپنے جذبے کے اعتبار سے وہ مکمل طور سے تن درست و توانا تھا۔ ایک غیرت مند لڑکا۔
کنور نواب علی اتنے خوش ہوئے کہ امی حضور سے ساجد کو بھی شہر لے جانے کی اجازت حاصل کر لی۔ جب وہ لوگ جانے لگے تو ساجد امی حضور سے لپٹ کر بڑی طرح رو دیا۔ اسے چھوٹی بیگم کی صورت میں اپنی ماں مل گئی تھی، مگر وہ اپنا مستقبل سنوارنے جا رہا تھا، اس لیے جدائی کے غم کو اس نے برداشت کر لیا۔ اس بار کنور صاحب کے ساتھ سفر میں دو ملازم بھیجے گئے تاکہ ایک آدمی ساجد کی دیکھ بھال کرے۔
شہر کی گھن گرج اور بھاگ دوڑ اور چمک دمک دیکھ کر لُولا ساجد دنگ رہ گیا۔ اس نے اب تک شہر نہیں دیکھا تھا۔ ہر چیز کو پاگلوں کی طرح آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اس عالم میں وہ لوگ ایک کوٹھی میں پہنچ گئے۔ کوٹھی بہت خوب صورت تھی۔ اس میں بہت سے کمرے تھے اور دونوں طرف بڑے بڑے لان تھے۔ ایک باغیچہ بھی تھا۔ جہاں درختوں کے علاوہ پھولوں کی کئی کیاریاں موسمِ بہار کا منظر پیش کر رہی تھیں۔
ساجد بہت ذہین ثابت ہوا۔ کنور نواب علی نے اس کے لیے استاد لگائے تھے۔ ایک استاد ساجد کو لکھنا پڑھنا سکھایا کرتے تھے۔ دوسرے صاحب اس کو مصوری کے اصول بتا رہے تھے۔ ساجد دن رات محنت کر رہا تھا۔ ہر سال وہ دونوں کچھ دن گاؤں میں جا کر گزارا کرتے تھے۔

کئی سال پلک جھپکتے گزر گئے۔ کنور صاحب اور ساجد اب نوجوان بن گئے تھے۔ ساجد نے اپنے فن میں کافی ترقی کر لی تھی۔ اس نے کئی ایسی خوب صورت تصویریں بنائی تھیں جنھیں استاد بھی دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ اس نے پہلی مکمل رنگین تصویر اپنے بارے میں بنائی تھی۔ اس کے پس منظر میں ایک ماں کی میت رکھی تھی۔ پیش منظر میں ایک معذور لڑکا کھیت کی منڈیر پر بیٹھا راہ گیروں کو تک رہا تھا۔ اس کے سامنے ایک قافلہ آرہا تھا، جس کی قیادت کنور نواب علی کر رہے تھے۔ پیچھے دُور خزاں رسیدہ درخت اور ٹیلے، سامنے موسم بہار کے پھول نظر آرہے تھے۔ اس تصویر کا نام اس نے "کھوٹا سکّہ" رکھا تھا۔

کنور نواب علی ان دِنوں بہت مصروف تھے۔ انھوں نے ساجد کی تصاویر کی نمائش کے لیے آرٹ گیلری والوں کی بات مان لی تھی۔ آرٹ گیلری والوں نے بہت بڑی تقریب کا اہتمام کیا تھا۔ نمائش سے ایک دن پہلے وہ مصنوعی ٹانگیں بھی ساجد کو مل گئیں جو کنور صاحب نے دوسرے ملک سے خاص طور سے ساجد کے لیے منگائی تھیں۔
نمائش میں وہ انھیں ٹانگوں سے گیا۔ بہت لوگ آئے تھے۔ ہر شخص ساجد کی تعریف کر رہا تھا۔ اس نمائش سے کئی لاکھ رُپے کی آمدنی ہوئی تھی۔ یہ رقم ساجد کے لیے تمام عمر کو کافی تھی مگر اس نے ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ اس نے ساری رقم صدر کے امدادی فنڈ میں دے دی۔ جو معذور بچّوں کے لیے قائم کیا گیا تھا۔

تصحیح کر لیجیے

ہمدرد نونہال خاص نمبر (ستمبر ۱۹۸۵ء) کے ساتھ جو "دل چسپ کتاب" شائع کی گئی تھی، ہمیں افسوس ہے کہ اس میں کتابت کی چند غلطیاں رہ گئی تھیں۔ ہم یہاں صحیح عبارتیں لکھ رہے ہیں، اپنی کتابوں میں اس کے مطابق درستی کر لیجیے :-

صفحہ ۲، سطر ا صحیح عبارت، "سب سے لمبا دریا افریقہ کا دریائے نیل ہے۔"
صفحہ ۳، سطر ۱۶ صحیح عبارت، "روشنی کی رفتار ایک لاکھ ۸۶ ہزار دو سو بیاسی میل فی سیکنڈ ہے۔"
صفحہ ۱۵، آخری سطر میں کھلاڑی کا صحیح نام ماجد خان ہے۔

سر، انگریزی کے ماسٹر صاحب انگریزی میں اور اردو کے ماسٹر صاحب اردو میں بات کرتے ہیں۔ آپ حساب پڑھاتے ہیں لیکن.....
اچھا، اچھا، صاحب زادے، زیادہ ۳-۵ نہ کرو، فوراً یہاں سے ۹-۲-۱۱ ہو جاؤ۔

مینارِ عظمت

شکیب الرحمٰن بابر، اسلام آباد

رات کے سیاہ اندھیرے شہر کراچی کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے۔ گھڑیال کی ٹن ٹن بتا رہی تھی کہ اس وقت بارہ بج چکے ہیں۔ کراچی کی پوری آبادی گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی، لیکن نہیں، کھارادر میں ایک گھر کا ایک کمرا روشن تھا۔ اس کمرے میں ایک ننھا سا بچّہ بیٹھا ہوا کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس کے سامنے ایک میز پر ایک لیمپ روشن تھا اور کتابوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے پروا کتاب کے مطالعے میں گُم تھا۔

ساتھ والے کمرے میں اس بچّے کی بہن کی آنکھ کُھلی تو اس نے کمرے میں روشنی دیکھی۔ وہ دیکھنے کے لیے کمرے میں آئی تو اس نے بھائی کو پڑھتے دیکھا۔ اس نے حیرت زدہ لہجے میں کہا، "محمد علی، تم ابھی تک پڑھ رہے ہو؟"

"پڑھوں گا نہیں تو بڑا آدمی کیسے بنوں گا۔" مستقل مزاج لہجے میں بچّے نے جواب دیا۔

"ارے بھئی کل پڑھ لینا، کتابیں کہیں بھاگی تو نہیں جا رہی۔" بہن نے پیار سے کہا۔ "نہیں، آج کا کام کل پر نہیں ٹالنا چاہیے۔" بچّے نے ایک بار پھر ثابت قدم لہجے میں کہا۔

"مگر اس روشنی سے تو دوسرے بچّے جاگ جائیں گے۔" بہن نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ بچّے نے ایک گتّا اٹھایا اور اسے لیمپ کے آگے اس طرح رکھ دیا کہ اس کی روشنی اب صرف کتاب پر پڑ رہی تھی۔ اس کے بعد بچّہ دوبارہ پڑھائی میں منہمک ہو گیا۔

کراچی شہر ایک بار پھر اندھیروں کی گود میں سکون کی نیند سو رہا تھا۔ گھڑیال نے پھر بارہ بجنے کا اعلان کیا۔ ایسے وقت میں جب پورا شہر خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا تھا

ایک مکان میں اب بھی روشنی ہو رہی تھی۔ اس مکان میں ایک دُبلا پتلا سا شخص میز کے آگے بیٹھا ہوا کام کرنے میں مصروف تھا۔ ساتھ والے گھر میں ایک شخص کی آنکھ کھُلی تو روشنی دیکھ کر اس گھر میں آ گیا۔ اس نے آدمی کو کام کرتے دیکھ کر کہا، "ارے آپ ابھی تک کام کر رہے ہیں!"

"ہاں" مختصر مگر جامع جواب آیا۔

"مگر کیوں؟" آدمی نے پوچھا۔

"اپنی قوم کی ترقی کے لیے۔ اگر میں کام نہیں کروں گا تو میری قوم دنیا میں سَر اُٹھا کر کس طرح چل سکے گی۔" اسی استقلال بھرے لہجے میں جواب ملا۔

"مگر میرے قائد، پوری قوم تو سو رہی ہے، آپ بھی تھوڑی سی نیند لے لیں۔"

"دوسری قوموں کے لیڈر سو رہے ہیں اور ان کی قومیں جاگ رہی ہیں، جب کہ میری قوم سو رہی ہے اور اسی لیے میں جاگ رہا ہوں!" استقلال بھرے، امید بھرے لہجے میں عظیم قائد نے جواب دیا۔ وہ آدمی چُپ ہو گیا اور یہ کم زور صحت قائد دوبارہ کام میں منہمک ہو گیا۔

پیارے نونہالو! تم نے ان دو شخصیات کو پہچانا؟ نہیں؟ ارے بھئی یہ ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس شخصیت میں ثابت قدمی اور استقلال شروع ہی سے تھا۔ وہ قول کا سچّا، بات کا پکّا اور ارادے کا اٹل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قدرت نے اس شخصیت کو اتنی عظمت دی کہ وہ قائد اعظم کہلایا۔ جی ہاں! یہ قائد اعظم کی زندگی ہی کے دو واقعات تھے۔ پہلا واقعہ جو اُن کے بچپن کا ہے، اس بات کا غمّاز ہے کہ ان کے بڑے پن کے آثار بچپن ہی سے نظر آنے لگے تھے۔ بچپن ہی سے ہمارے قائد میں محنت لگن اور شوق کا جذبہ موجود تھا۔ دوسرا واقعہ قیامِ پاکستان کے بعد کا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے قائد اعظم اپنی صحت، اپنی نیند، اپنا آرام اور اپنا سکون ختم کر کے صرف ملک و ملّت کی ترقی کے خواہاں تھے۔ اس لیے آیئے عہد کریں کہ ہم بھی ملک و قوم کی ترقی، خوش حالی کے لیے بابائے قوم کی طرح کام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بابائے ملّت کے عظیم نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔

یہ پیٹ اور یہ کمر

س: میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا پیٹ کچھ عرصے سے بڑھتا جا رہا ہے۔ میں نے بہت ورزش کی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں کھانا بھی کم کھاتی ہوں اور پراٹھا وغیرہ بالکل نہیں کھاتی۔ پھر بھی کمر موٹی ہوتی جا رہی ہے۔ ع۔ د، کراچی

ج: کہتے ہیں کہ ٹوتھ پیسٹ کی ٹیوب سے پیسٹ جب نکل آتا ہے تو پھر واپس اندر نہیں جاتا، اسی طرح پیٹ جب نکل جائے تو قیامت ہے، توبہ! آپ لاکھ کہیں کہ کم کھاتی ہوں، میں تو یہی کہوں گا کہ آپ زیادہ کھاتی ہیں۔ اچھا چلیے فیصلہ ہوتا ہے۔ آپ سب سے پہلے مٹھاس کم کریں۔ گیہوں کی روٹی کم کھائیں۔ پراٹھا تو دیکھنا بھی نہیں چاہیے۔ ورزش پابندی سے کرتی رہیے۔ بس یہ کافی ہے۔

آنکھوں میں جلن

س: میری والدہ کی عمر ۳۲ سال ہے۔ ان کی آنکھوں اور سارے جسم سے انھیں آگ نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور آنکھوں میں ہر وقت جلن رہتی ہے اور سر میں درد بہت زیادہ ہوتا ہے اور ابھی چھے ماہ پہلے ان کے پتّے کا آپریشن ہوا ہے۔ سلیم الرحمٰن، کراچی

ج: ایسا لگتا ہے کہ والدہ کے پتّے کا آپریشن اس لیے ہوا ہے کہ غذائی بے اعتدالیوں نے پتّے میں پتھری پیدا کر دی تھی۔ شاید اب بھی غذا وہ ضرورت سے زیادہ نوش فرما رہی ہیں۔ یہ علامتیں خرابیِ ہضم کی بھی ہو سکتی ہیں۔

گردوں کا کام

س : گُردے انسانی جسم میں کیا کام کرتے ہیں؟ محمد امیر صدیقی، کراچی

ج : گردوں کو ہم "داروغۂ صفائی" کہہ سکتے ہیں۔ یہ ہمارے خون میں سے غیر ضروری چیزوں کو چھان کر پیشاب کے ذریعے سے خارج کرتے رہتے ہیں۔ رات دن یہ دونوں گردے اس خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔

(ہمدرد نونہال، مارچ ۸۵ء میں گردوں پر ایک مضمون شائع ہو چکا ہے۔)

پیروں کی ایڑیوں میں درد

س : میری عمر ۱۱ سال ہے۔ میرے پیروں کی ایڑیوں میں اکثر درد رہتا ہے۔ جب میں جوتے پہنتا ہوں تو ایڑیوں میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ محمود علی شیخ، نواب شاہ

ج : شاید آپ پانی حسبِ ضرورت نہیں پی رہے ہیں اور خون کے مادّے ایڑیوں میں جم کر رُک رہے ہیں۔ پانی پر توجہ کرنی چاہیے۔ رات کو سوتے وقت حبِ سورنجان ایک عدد پانی سے ۱۵۔۱۶ دن کھا لیجیے۔ کافی ہے۔

آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے

س : میری عمر ۱۹ سال ہے۔ صحت بڑی اچھی ہے۔ خوب موٹا تازہ ہوں، مگر میری آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے سے پڑے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب خون کی کمی بتاتے ہیں۔ کھاتا پیتا بھی اچھا ہوں۔ طالب اشتیاق، حیدر آباد

ج : آنکھوں کے گرد نیچے سیاہ حلقے نشان دہی کرتے ہیں کہ آپ اپنی طاقتوں کو غلط استعمال کر رہے ہیں۔ اپنے ہاتھوں آپ نے یہ سیاہی مول لینے کی اگر غلطی کی ہے تو احتیاط ضروری ہے۔

سفید بالوں سے نجات

س : میری عمر ۱۶ سال ہے۔ میری اس عمر میں سَر کے بال پندرہ سولہ کے قریب سفید ہو چکے ہیں۔ مہربانی فرما کر مجھے ان سفید بالوں سے نجات دلائیں؟ محمد سلیم، کوٹڑی

ج : ہو سکتا ہے کہ یہ موروثی کیفیت ہو۔ آپ کے والد محترم کو بھی بچپن میں ایسا ہی ہوا ہوگا بہ ظاہر میں اس کا کوئی علاج تجویز نہیں کر سکتا، شاید آملے کا مربا آپ کے لیے اچھا رہے۔ ایک چھوٹا دانہ آملے کا روزانہ نہینے دو نہینے کھا ڈالیے۔

رانوں میں درد

س: میری عمر تقریباً ۱۱ سال ہے۔ ۴ سال سے میری دونوں ٹانگوں میں درد رہتا ہے۔ ازراہ کرم کوئی موثر علاج بتائیں؟
عبدالحمید نظامانی، حیدرآباد

ج: بات واضح نہیں ہے۔ کیا آپ فٹ بال کھیلتے ہیں؟ اگر ہاں تو زیادہ بھاگ دوڑ سے ایسا ہوسکتا ہے۔ رانوں پر کسی تیل کی مالش فائدہ مند ہوسکتی ہے۔

پیٹ میں کیڑے

س: میری عمر ۱۶ سال ہے۔ میرے پیٹ میں کافی عرصے سے کیڑے پڑ گئے ہیں۔ بہت کم زور ہوں۔ بھوک بہت لگتی ہے۔ جو کھانا کھاتا ہوں وہ محسوس ہی نہیں ہوتا۔ بہت علاج کرایا، مگر کوئی فائدہ ہی نہیں ہوا۔ مہربانی فرماکر آپ ہی کوئی علاج بتائیے۔
محمد جمیل، کراچی

ج: آپ جو بھی کھاتے ہیں اُس کا ایک اچھا خاصا حصّہ تو یہ کیڑے چٹ کر جاتے ہیں شاید آپ نے باقاعدہ علاج نہیں کرایا، یا یہ ممکن ہے کہ آپ جو پانی پی رہے ہیں وہ صاف نہیں ہے اور اس وجہ سے پیٹ میں کیڑے ختم نہیں ہو رہے ہیں۔ یہ مشورہ صحیح ہے کہ کراچی کا پانی اُبال کر پینا چاہیے۔ ان بڑے کیڑوں کے لیے کمیلا ایک اچھی دوا ہے۔ کوئی دو گرام کمیلا رات خوب میٹھے دودھ کے ساتھ پھانک لیں۔ اس دودھ کمیلے کو کیڑے مزے لے کر پی جائیں گے اور بے ہوش ہوجائیں گے۔ دوسری صبح ۳۰ گرام روغن بید انجیر (کیسٹر آئل) دودھ میں ملا کر پی لیں۔ ۴۔۵ دست آجائیں گے اور بے ہوش کیڑے نکل جائیں گے۔ ایک بار یہی عمل کرلیں کافی ہیں۔

لُعابِ دہن

س: میری عمر ۱۲ سال ہے۔ میرے منھ میں ہر وقت لعابِ دہن جمع رہتا ہے۔ ازراہِ کرم اس مرض کا کوئی علاج بتائیے؟
محمد خالد صدیق، کراچی

ج: اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے جسم کو جس قدر غذا کی ضرورت ہے آپ اس سے زیادہ کھائے جا رہے ہیں۔ شاید ورزش بھی کوئی نہیں کرتے۔ اگر ایسا ہے تو خود صحیح فیصلہ کرلیجیے۔ زیادہ کھانا کسی طرح بھی اچھا نہیں ہے۔ میں "ایک ناشتا ایک کھانا" کا قائل ہوں۔ صبح ناشتا کرنا چاہیے اور مغرب کے بعد اطمینان سے کھانا چاہیے۔

اسٹیٹ لائف کا خصوصی منصوبہ
یہ تحفّظ مُہیّا کرتا ہے

ہمارے بچے ہی تو ہماری اُمیدوں کا مرکز ہیں ۔ خاندان کیلئے تحفّظ کے اِس خصوصی منصوبہ کے تحت بامنافع میعادی بیمہ، خاندان کے لیے آمدنی اور حادثاتی موت کے اضافی معاہدے ایک ہی پالیسی میں یکجا کردیئے گئے ہیں ۔ اِس پالیسی کی رُو سے حادثے کی وجہ سے وفات کی صورت میں بیمے کی دوگنی رقم اور جمع شُدہ بونس کی ادائیگی کے ساتھ خاندان کے لئے بیمے کی میعاد ختم ہونے تک ماہانہ آمدنی کی ضمانت دی جاتی ہے ۔

اسٹیٹ لائف
انشورنس کارپوریشن آف پاکستان

مزید تفصیلات کیلئے اسٹیٹ لائف کے کسی بھی ریپریزنٹیٹو سے رابطہ قائم کریں ۔

United

PID-I-12/85

تحفے

عِلم

مرسلہ: ایم رزاق کنول نوشاد، پربت آباد

عِلم ایک انمول تحفہ ہے جو بے قیمت ملتا ہے، لیکن اس کی اہمیت بہت بڑی ہے۔ اس سائنسی دَور میں عِلم کو اور زیادہ فوقیت حاصل ہے، کیوں کہ انسان عِلم کے بغیر اندھا ہوتا ہے، حضورؐ کا ارشاد ہے:

"عِلم حاصل کرو چاہے تمھیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔"

سُرخ مرچیں

مرسلہ: ساجدہ شمس، کراچی

مولانا مودودی اپنی علمی قابلیت اور اپنی باوقار اور متین شخصیت کے باوجود بڑے ظریف الطبع اور خوش مذاق بھی تھے۔ ایک مرتبہ امرتسر میں ایک ملاقات کے دوران سرخ مرچوں کے فائدوں پر ذکر چل نکلا۔ ایک صاحب نے فرمایا، ڈاکٹروں کی تازہ ترین تحقیق ہے کہ سرخ مرچوں میں وٹامن سی پائے جاتے ہیں۔ مولانا نے ایک لمحے کی تاخیر کے بعد فرمایا، "جی ہاں اب تو آپ یقین کر ہی لیں گے، کیوں کہ ڈاکٹروں نے تحقیق کر کے بتایا ہے، لیکن ہم تو ساری عمر سرخ مرچیں کھانے اور "سی سی" کرتے رہے، لیکن کسی نے مان کر نہیں دیا۔"

—— خواجہ غفور احمد

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں

مرسلہ: محمد طارق بلوچ، کراچی

ایک آدمی اپنے دوست کے گھر گیا اور میزبان کی بچّی سے پوچھنے لگا، "بیٹی، تمھارا نام کیا ہے؟"

"وہی جو میری امی کا ہے۔"

"خوب، تمھاری امی کا نام کیا ہے؟"

"وہی جو میری بہن کا ہے۔"

"لیکن تم نے اس کا نام نہیں بتایا، خیر چلو یہ بتاؤ کہ جب کھانے کی میز لگادی جاتی ہے تو تمھیں کیا کہہ کر بُلایا جاتا ہے؟"

"مجھے بُلایا ہی نہیں جاتا، کیوں کہ میں کھانے کی میز لگنے سے پہلے ہی وہاں موجود ہوتی ہوں۔"

مسکراہٹ

مرسلہ: غضنفر حسن خان، کراچی

مسکراہٹ ایک انمول خزانہ ہے، مسکراہٹ

تھکے ماندے کے لیے آرام، مایوس کے لیے روشنی کی کرن، بد دل کے لیے دل کی روشنی اور مصیبت زدہ کے لیے بہترین قدرتی تریاق ہے۔ مسکراہٹ کے بغیر کوئی امید نہیں۔ جس کے پاس مسکراہٹ نہیں اُس جیسا کوئی غریب نہیں۔ مسکراہٹ دوستوں کی پہچان ہے۔

بے وقوف

مرسلہ: ایم انور ساجد، حافظ آباد

کون کہتا ہے کہ آئر لینڈ کے باشندے بے وقوف ہوتے ہیں۔ میں ایک شخص سے واقف ہوں۔ ایک مرتبہ اس نے چوری کا پیشہ اختیار کیا۔ دواؤں کی ایک دُکان میں گیا اور مفت تقسیم ہونے والی دواؤں سے جیبیں بھر لیں۔

پڑوسی

مرسلہ: شیر افضل خان، کراچی

پاگل خانے سے ملحقہ باغ میں میں نے ایک جوان کو دیکھا، جس کی حسین صورت مرجھا رہی تھی، جس کے چہرے پر حیرت کی کالک چڑھی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا، آپ یہاں کیسے آگئے ہیں؟ اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور بولا، اس جگہ آپ کا یہ سوال بے معنی ہے، لیکن میں جواب ضرور دوں گا۔ وہ کہنے لگا، میرے والد کی خواہش تھی کہ میں ان کے نقشِ قدم پر چلوں۔ میرے چچا مجھے اپنے جیسا بنانا چاہتے تھے۔ ماں کی خواہش تھی کہ میں اپنے نانا کی مثال قائم کروں، جب کہ میری بہن مجھے اپنے ملاّح خاوند کی طرح بنانا چاہتی تھی اور میرا بھائی چاہتا ہے کہ میں اس کی طرح ایک مشہور پہلوان بن جاؤں۔ یہی حال میرے استادوں کا ہے۔ وہ مجھ میں اپنا عکس دیکھنا چاہتے تھے۔ میں یہاں اس لیے بھاگ آیا ہوں کہ یہاں قدرے سکون ہے اور میں "میں" بن سکتا ہوں، لیکن آپ یہاں کیسے پہنچے؟ اعلا تعلیم کی بہ دولت یا اچھی سوسائٹی کے فیض سے؟ میں سٹ پٹا گیا اور کہا، نہیں میں تو صرف ملاقات کرنے آیا ہوں۔ اس نے سر ہلایا اور کہا، اچھا میں سمجھا آپ میرے پڑوسی ہیں اور دیوار کے اُس طرف پاگل خانے میں رہتے ہیں۔ ——— خلیل جبران

زندگی اور تجسس

مرسلہ، ملازم حسین عابد، غلام اکبر بھٹی، خوشاب

زندگی تجسس کے بغیر بے کار ہے۔ کبھی کبھی یہی تجسس تلاش کا روپ بھی دھار لیتی ہے تو زندگی کی انوکھی لذّت کا پتا چلتا ہے۔ یہ ایک ایسا سفر ہے جس کی منزل کے نشان وقت کی آندھی نے مٹا دیے ہوتے ہیں۔ چناں چہ اس لیے حالات سے ٹکرا کر راستے کا کھوج لگانا پڑتا ہے۔ ان راستوں کا سفر بے حد طویل ہوتا ہے۔ اس میں حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے، بلکہ اپنے سفر کو ہر حال میں جاری رکھنا چاہیے، کیوں کہ لگن کی دھوپ میں چلنے والے راہی اپنے تن کا پسینا بہا کر زندگی کی چھپی ہوئی حقیقتوں کا سراغ ضرور لگا لیتے ہیں۔

اقوالِ زرّیں

مرسلہ: بشریٰ خان، کراچی

☆ عقل مند شخص اپنی محنت پر بھروسا کرتا ہے اور نادان اپنی خواہش پر۔ (حضرت علیؓ)

☆ خاموشی اظہارِ نفرت کا سب سے بہتر طریقہ ہے۔ (برنارڈ شا)

☆ بہت سے نقصانات آدمی کو اس لیے پہنچتے ہیں کہ وہ لوگوں سے مشورہ نہیں لیتا۔ (افلاطون)

بچپن کے دوست

مرسلہ: سید امین الدین، اسلام آباد

اب مجھ میں اور میرے ساتھیوں میں بدمزگی ہو گئی ہے۔ چند کو میں نے نکلوا دیا چند خود سے نکل گئے، باقی جو ہیں وہ بھی ایک ایک کر کے جانے کو ڈول رہے ہیں۔ یہ وہ ساتھی تھے جنھوں نے اپنی ذات کو میرے اور صرف میرے لیے وقف کر دیا تھا، جو بچپن ہی سے میرے ساتھ چوبیس گھنٹے رہا کرتے تھے۔ میرے ہر کھانے پینے میں شریک تھے، میرا ہنسنا بولنا، گانا سب انھیں کے دم سے تھا۔ معلوم نہیں وہ مجھے کیا کہتے تھے، لیکن میں انھیں دانت کہا کرتا تھا۔

——— ابو ظفر زرین

دو لفظ اور ان کا مفہوم

مرسلہ: طارق نسیم، کراچی

غلطی: انسان خطا کا پُتلا ہے اور دنیا میں کوئی بشر ایسا نہیں ہے جو کسی غلطی سے مبرّا ہو۔ غلطی یہ نہیں ہے کہ آپ سے کوئی کام بگڑ جائے یا آپ کوئی کام صحیح طور پر نہ انجام دے سکیں۔ غلطی یہ ہے کہ آپ ایک دفعہ کوئی غلط کام کر کے اُسے دُہرائیں۔ اپنے تجربے سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے دوبارہ وہ کام کریں جس سے آپ کو نقصان اُٹھانا پڑے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اصل غلطی آزمائے ہوئے کو آزمانا ہے۔

عزّت: میرے خیال میں عزت دنیا کی وہ واحد شے ہے جو کہ کسی بھی وقت اور کبھی بھی کسی شخص سے لی نہیں جاسکتی۔ البتہ کسی بھی صورتِ حال میں کسی کو بھی دی ضرور جاسکتی ہے۔ عزت ایک ایسا نام ہے جو کہ ہمیشہ دوسرے ہی ہمارے لیے تجویز کرسکتے ہیں۔ ہم کبھی بھی اسے اپنی مرضی سے اپنے نام کا حصّہ نہیں بنا سکتے۔

مگر ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ بعض اشخاص کو عزت خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہے مگر ان کی تعداد بہت کم ہوتی ہے یا ہم ان کی عزت ہی کو نہیں سمجھ پاتے۔ عزت ان لوگوں کے لیے ایک قدرتی تحفہ ہوتی ہے اور جب کبھی یہ ظالم دنیا ان خوش نصیب انسانوں سے یہ تحفہ چھیننا چاہتی ہے تو قدرت ان کی عزت کو لافانی کر دیتی ہے۔ موت کی صورت میں قسمت ان کی عزت کو اَمر کر دیتی ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

زندگی

مرسلہ: اشفاق احمد، کراچی

ہوا کے زور سے بلند ہونے والے کاغذ نے

پکارا، "آہا، بلندی ہی زندگی ہے۔" ذرات نے کروٹ لے کر کہا، "پستی اور بلندی کی کش مکش ہی زندگی ہے۔" دل نے کہا، "ہر دھڑکن زندگی ہے۔" درخت کی ٹھنڈی چھاؤں تلے نرم گھاس کی آغوش میں بہتی ہوئی ندی نے کہا، "میٹھا اور دھیما راگ ہی زندگی ہے۔" زمین نے اپنا چکر پورا کرتے ہوئے کہا، "اپنے مرکز کے گرد گھومنا ہی زندگی ہے۔" چاند نے اپنے حسین چہرے کی شکن دُور کرتے ہوئے کہا، "بار بار گھٹنے اور بڑھنے کا نام زندگی ہے۔"

عیّاری

مرسلہ: محسن رجب علی، نواب شاہ

خداوندا یہ تیرے سادہ دِل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیّاری ہے سلطانی بھی عیّاری

—— اقبال

زبان اور دِل

مرسلہ: شعیب احمد قریشی، روہڑی

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

"عقل مند کی زبان دل کے پیچھے ہے۔ جب وہ کچھ کہنا چاہتا ہے تو پہلے دل کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اگر وہ بات اس کے فائدے کی ہوتی ہے تو کہتا ہے ورنہ رُک جاتا ہے اور جاہل کا دل اس کی زبان کی نوک پر رہتا ہے، وہ دل کی طرف رجوع نہیں کرتا بلکہ جو کچھ زبان پر آتا ہے بول جاتا ہے۔

یقین

مرسلہ: فرح صدیق، ملتان

اُحد کی لڑائی شروع تھی کہ ایک شخص کھجوریں کھاتے ہوئے حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ! اگر میں جہاد کروں اور مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا؟ حضورؐ نے فرمایا، جنّت میں۔ ان صاحب نے اسی وقت کھجوریں ہاتھ سے ڈالیں اور تلوار پکڑ کر کفار کے ساتھ جہاد کرنے لگے اور اس حد تک لڑے کہ شہید ہو گئے۔

سیر و شکار

مرسلہ: محمد عاطف شیخ، منو آباد

یہ سب جانتے ہیں کہ شیر کس پھُرتی سے ہرن کو دبا لیتا ہے اور پھر اس کا خون پی کر دھوپ میں آرام کے لیے لیٹ جاتا ہے۔ اس وقت اگر اس کے سامنے سے ہرنوں کی ڈاریں گزر جائیں تو آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، لیکن یہ حضرت انسان صرف دوزخِ شکم کے بھرنے یا اپنی حفاظت ہی کے لیے دوسروں کو نہیں مارتا بلکہ محض تفریح کے لیے ہزارہا بے گناہوں کا خون کر ڈالتا ہے۔ اس شریف فن کا نام اُس نے سیر و شکار رکھا ہے۔ قربان جائیے اس تفریح کے!

—— بابائے اردو مولوی عبدالحق

چالاک کمہار

احمد جمال پاشا

کسی زمانے میں ایک ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا جس کا نام بہادر تھا۔ اس کی حکومت دور دور تک سمندروں اور پہاڑوں کی ڈھالوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سونے کے تخت پر سونے کا شامیانہ لگا کر اور سونے کا تاج پہن کر بیٹھتا۔

اس کی رعایا اُسے ایک ہزار ہاتھیوں کا بادشاہ کے نام سے یاد کرتی۔ اس وجہ سے نہیں کہ اس کے پاس ایک ہزار ہاتھی تھے۔ بلکہ ہاتھی تو اس کے پاس پچاس ہی تھے لیکن اس طرح اُسے یاد کرنے سے وہ خوش بہت ہوتا تھا۔

کمہار حد درجہ کاہل تھا جب کہ دھوبی بہت محنتی تھا۔

سلطان کو دنیا میں بس صرف ایک ہی غم تھا اور وہ یہ کہ اس کے پاس کوئی سفید ہاتھی نہ تھا، جب کہ پڑوس کے ملک کے بادشاہ کے پاس پانچ سفید ہاتھی تھے۔ اس کا ملک سفید ہاتھیوں کے نام سے دُور دور تک مشہور تھا۔

اس زمانے میں سفید ہاتھی رکھنا بڑی شان و شوکت کی بات سمجھی جاتی تھی اور کہا جاتا تھا کہ "سفید ہاتھی خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔" اور یہ عقیدہ تھا کہ جس بادشاہ کے پاس سفید ہاتھی ہوگا اُس کے ملک، رعایا اور بادشاہ پر کبھی کوئی بُرا وقت نہ پڑے گا اور خدا سب پر ہمیشہ مہربان رہے گا۔"

بہادر اپنے پڑوسی بادشاہ سے ملنے کے لیے چاہتا تھا کہ سفید ہاتھی پر بیٹھ کر جائے۔ دراصل سلطان کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش بھی یہی تھی۔

اس نے اعلان کرا رکھا تھا کہ جو بھی شکاری اس کے لیے ایک سفید ہاتھی پکڑ کر لائے گا اس کو وہ اشرفیوں میں تول کر اس کا منھ موتیوں سے بھر دے گا۔ اس کے علاوہ اس کو منھ مانگا انعام بھی دے گا، لیکن اتنے بڑے اعلان کے باوجود اسے ایک بھی سفید ہاتھی حاصل کرنے میں کام یابی نہ حاصل ہو سکی۔

سلطان کی رعایا میں ایک کمھار اور ایک دھوبی بھی تھا۔ کمھار اپنے فن میں طاق تھا۔ وہ بہت خوب صورت برتن چاول رکھنے کے لیے بناتا، لیکن اس میں ایک بہت بڑی کم زوری تھی یہ کہ حد درجہ کاہل تھا، اس لیے وہ صرف اتنا ہی کماتا کہ اس سے اپنا پیٹ بھر سکے۔ حال آنکہ وہ چاہتا تو محنت کر کے بآسانی بہت اچھی زندگی گزار سکتا تھا۔

دھوبی بہت محنتی تھا۔ وہ صبح سے رات تک کپڑے دھوتا۔ اس کی آمدنی بہت اچھی تھی، اس لیے وہ مزے اور آرام سے رہتا تھا۔

کمھار کی بیوی دھوبن کو بہترین کپڑے پہنتے، دھوبن اور اس کے بچّوں کو بہت اچھے کھانے کھاتے دیکھ کر جل جل کر خاک ہوتی رہتی۔ کمھارن دن رات اپنے شوہر کے کان دھوبی اور دھوبن کے خلاف بھرتی رہتی۔ بجائے محنت سے کام کر کے دھوبی کی طرح اچھی زندگی گزارنے کے وہ ایسی ترکیبیں سوچا کرتے کہ کسی طرح کوئی ایسی صورت پیدا

ہو جائے کہ دھوبی، دھوبن اور ان کے بچّے بھی ہماری طرح خراب حالت میں رہنے پر مجبور ہو جائیں اور دھوبی کی آمدنی گھٹ کر ہماری آمدنی کی طرح ہو جائے۔ پھر ہم محنت کر کے اپنی آمدنی اس سے زیادہ بڑھا لیں گے۔

بہت سوچ سمجھ کر ایک دن کمہار بادشاہ سلامت کی خدمت میں حاضر ہوا اور قدم بوسی کے بعد بولا کہ، "جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔"

بادشاہ نے کہا، "کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟" کمہار نے کہا:

"اے ایک ہزار ہاتھیوں والے بادشاہ! میں ایک بڑی حیرت انگیز اسکیم لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ دراصل بات یہ ہے غریب پرور، کہ ہم سب ہی کو آپ کی رعایا میں اس بات پر انتہائی رنج ہے کہ بادشاہ سلامت کے پاس اب تک کوئی سفید ہاتھی نہیں ہے۔ آپ کی رعایا کی یہ انتہائی شدید خواہش ہے کہ وہ آپ کو سفید ہاتھیوں کے بادشاہ کے نام سے یاد کرے اور میں آپ کو ایک سفید ہاتھی دلانے میں آپ کی

ہاتھی کے ٹب میں اپنا پیر رکھا تو ٹب کے ہزاروں ٹکڑے ہو گئے۔

مدد کر سکتا ہوں۔"
سلطان نے خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے جوش میں آکر کہا کہ اے لائق انسان! اگر تم نے ہمیں سفید ہاتھی دلا دیا تو ہم نہ صرف تمھیں بلکہ سفید ہاتھی تک کو سونے سے تول کر تمھیں دے دیں گے بلکہ تمھارا منھ ہم بیش قیمت موتیوں سے بھر دیں گے اور پھر منھ مانگا انعام دیں گے۔ میرے اچھے آدمی جلدی سے بتاؤ کہ تم نے اس سلسلے میں کیا منصوبہ بنایا ہے؟" کمھار نے عرض کیا:
"جہاں پناہ! شاہی محل کے پچھواڑے میرے پڑوس میں ایک دھوبی رہتا ہے وہ نہ صرف دھوبی ہے بلکہ ایک بہترین جادوگر بھی ہے اور اپنے کام کا بہت بڑا ماہر۔ وہ بادل کی طرح کالے کپڑے تک کو دھو کر چاندی کی طرح شفاف و براق کر دیتا ہے۔ جہاں پناہ! آپ اُسے حکم دیں کہ وہ آپ کے کسی بھی ایک ہاتھی کو دھو کر سفید کر دے۔ پھر اس طرح سے ایک ہزار ہاتھیوں کے بادشاہ آپ کے پاس ایک سفید ہاتھی بھی ہو جائے گا۔"
کمھار کی بتائی ہوئی ترکیب سنے بہادر بہت خوش ہوا۔ اس نے فوراً اپنے محل کے پچھواڑے کمھار کے پڑوس میں رہنے والے دھوبی کو حاضر کیے جانے کا سپاہیوں کو حکم دیا۔ جب دھوبی بادشاہ سلامت کے حضور میں پیش کیا گیا تو بادشاہ نے اسے حکم دیا: "میں تمھاری قابلیت اور فن کا امتحان لے رہا ہوں۔ تم میرے کسی بھی ایک ہاتھی کو اتنی صفائی سے دھوؤ اور اتنا دھوؤ وہ بھورے سے سفید ہو جائے۔ اس کے لیے تم وہ جادو استعمال کرو جو تم بادل سے بھی کالے کپڑے کو چاندی سے بھی شفاف و بُراق دھونے میں استعمال کرتے ہو۔ یاد رکھو! اگر تم اس میں کام ہو گئے تو ہم تم کو ایک بورا سونا اور منھ مانگا انعام دیں گے، لیکن اگر تم اس میں ناکام رہے تو پھر تم کو زندگی بھر جیل میں سڑا کر مار ڈالیں گے۔"
دھوبی نے بادشاہ کے سامنے اپنے پڑوسی کمھار کو بیٹھا ہوا دیکھا اور اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی شرارت آمیز فاتحانہ مسکراہٹ دیکھی اور وہ فوراً سمجھ گیا کہ یہ سب شرارت اسی پڑوسی کمھار کی ہے اور اسے پھنسانے کے لیے اس نے بادشاہ کو اتنا

غلط مشورہ دیا ہے۔ معاملے کو سمجھتے ہوئے حاضر دماغ دھوبی نے جان کی امان پانے کے بعد عرض کیا:

"اے ایک ہزار ہاتھیوں کے بادشاہ! میں آپ کا حکم سر آنکھوں پر بجالاؤں گا، لیکن ہاتھی کو نہلانے کے لیے مجھے ایک بہت بڑے ٹب کی ضرورت پڑے گی۔ براہِ مہربانی آپ میرے دوست اور پڑوسی کمہار کو حکم دیں کہ وہ مجھے اس قسم کا ایک بہت بڑا ٹب بنا دے جس میں، میں کالے ہاتھی کو دھو کر سفید کر سکوں۔"

جب کمہار نے دیکھا کہ جو جال اُس نے اس دھوبی کے لیے بچھا تھا اس میں اب خود ہی پھنس رہا ہے تو اس نے کہا، "جہاں پناہ! لیکن ہاتھی کو تو دریا میں بھی نہلایا جا سکتا ہے؟" دھوبی نے جواب دیا:

"نہیں! نہیں! دریا کا پانی گرم نہیں ہے۔ مجھے ہاتھی کو بھٹی چڑھانے کے لیے انتہائی گرم پانی کی ضرورت پڑے گی، تاکہ ہاتھی کا رنگ کٹ سکے اور وہ کالے یا بھورے سے سفید ہو سکے!"

یہ سُن کر بادشاہ نے کمہار کو حکم دیا کہ نہیں نہیں تم ہاتھی کو نہلانے کے لیے فوراً ایک بہت بڑا ٹب بناؤ۔ یہ بہت ضروری ہے۔"

بادشاہ کا حکم سُننے کے بعد چُغل خور کمہار سَر جُھکا کر اپنے گھر واپس چلا آیا۔ وہ دھوبی کو پھنسانے کے لیے بادشاہ کے پاس خوش خوش گیا تھا واپسی کے بعد وہ اب دنیا کا غمگین ترین انسان تھا۔

پورے تین ماہ تک کمہار اور اس کا پورا گھر ہاتھی کو نہلانے کے لیے بہت بڑا ٹب بنانے میں مصروف رہا۔ آخر بڑا ٹب بن کر تیار ہو گیا اور پچاس آدمی اسے اُٹھا کر بادشاہ کے دربار تک لے گئے۔ ہاتھی لایا گیا اور اس کو ٹب میں اُترنے کا مہاوت نے حکم دیا، لیکن جیسے ہی ہاتھی نے اپنا ایک پیر اس بڑے ٹب کے اندر رکھا تو اس کے پاؤں کے بوجھ سے اس بڑے ٹب کے ہزاروں ٹکڑے ہو گئے۔ بادشاہ نے کمہار کو حکم دیا کہ وہ زیادہ مضبوط ٹب بنائے۔

اگلے تین ماہ کی سخت محنت کے بعد کمہار اور اس کے کنبے نے دوسرا بہت بڑا ٹب

تیار کر لیا۔ یہ ٹب اتنا ہی بھاری تھا کہ دربار تک لے جانے کے لیے پورے سو آدمی کمھار نے لگائے۔

ٹب میں پانی بھرا گیا اور اس کے نیچے دھوبی نے آگ سلگا دی۔ اس بار جب ہاتھی ٹب کے اندر داخل ہوا تو ٹب نہیں ٹوٹا، لیکن اتنے بڑے ٹب کا پیندا اتنا موٹا تھا کہ آگ کی گرمی پانی تک نہ پہنچ سکی۔ دھوبی نے پھر اس بڑے ٹب کو بے کار قرار دیا اور کمھار کو ایک اور بڑا ٹب اگلے تین ماہ میں تیار کرنا پڑا۔

ٹب بننے کا سلسلہ جاری رہا۔ یا تو ٹب اتنا مضبوط نہ ہوتا کہ اس میں ہاتھی داخل ہو اور وہ سلامت رہ جائے اور نہ ٹوٹے یا پھر اس کا تلا اتنا موٹا ہو جاتا کہ آگ اس کے اندر کا پانی گرم نہ کر پاتی۔ کمھار اور اس کا کنبہ ہر بار بڑا ٹب بنانے کے لیے مٹی کھودتا رہتا یا پھر سب مل کر ٹب بناتے رہتے۔ وہ اپنا کام بالکل نہ کر پائے۔ جس کی وجہ سے وہ اتنے زیادہ غریب ہو گئے کہ بھوکوں مرنے لگے۔

کمھار کو ہر وقت افسوس بھی رہتا کہ اس نے دھوبی کو پھانسنے کے لیے جو جال بنایا تھا۔ اس میں خود بُری طرح پھنس کر رہ گیا ہے۔

ایک دن کمھار بادشاہ سلامت کو نیا ٹب دکھا رہا تھا۔ اتنے میں دربار میں اچانک دوڑتے ہوئے کئی شکاری داخل ہوتے انھوں نے چلّا کر کہا: "اے سفید ہاتھی کے بادشاہ! آپ کو فتح مبارک ہو۔ ہم نے ابھی جنگل میں آپ کے لیے ایک سفید ہاتھی پکڑ لیا ہے!"

یہ سُن کر سلطان بہت خوش ہوا۔ پھر سفید ہاتھی بادشاہ سلامت کے حضور میں پیش کیا۔ مارے خوشی کے بادشاہ سلامت دھوبی، کمھار اور ہاتھی کو نہلانے والے ٹب کے بارے میں سب کچھ بھول گئے۔ اس طرح کمھار کی جان بھی بچ گئی اور دھوبی نے بھی خدا کا شکر ادا کیا۔

سفید ہاتھی کے بادشاہ نے اپنی تمام پیاری رعایا کے لیے ایک بہت بڑی دعوت کرنے کا حکم دیا، جس کا سلسلہ ایک سال تک جاری رہا۔ اس دعوت میں ہر روز دھوبی اور کمھار ساتھ ساتھ آتے، کیوں کہ کمھار نے آیندہ دھوبی سے معافی مانگ لی تھی اور پھر وہ آپس میں ہمیشہ کے لیے گہرے دوست ہو گئے تھے۔

چندا ماموں کی کہانی

سیرینہ شاہ بانو

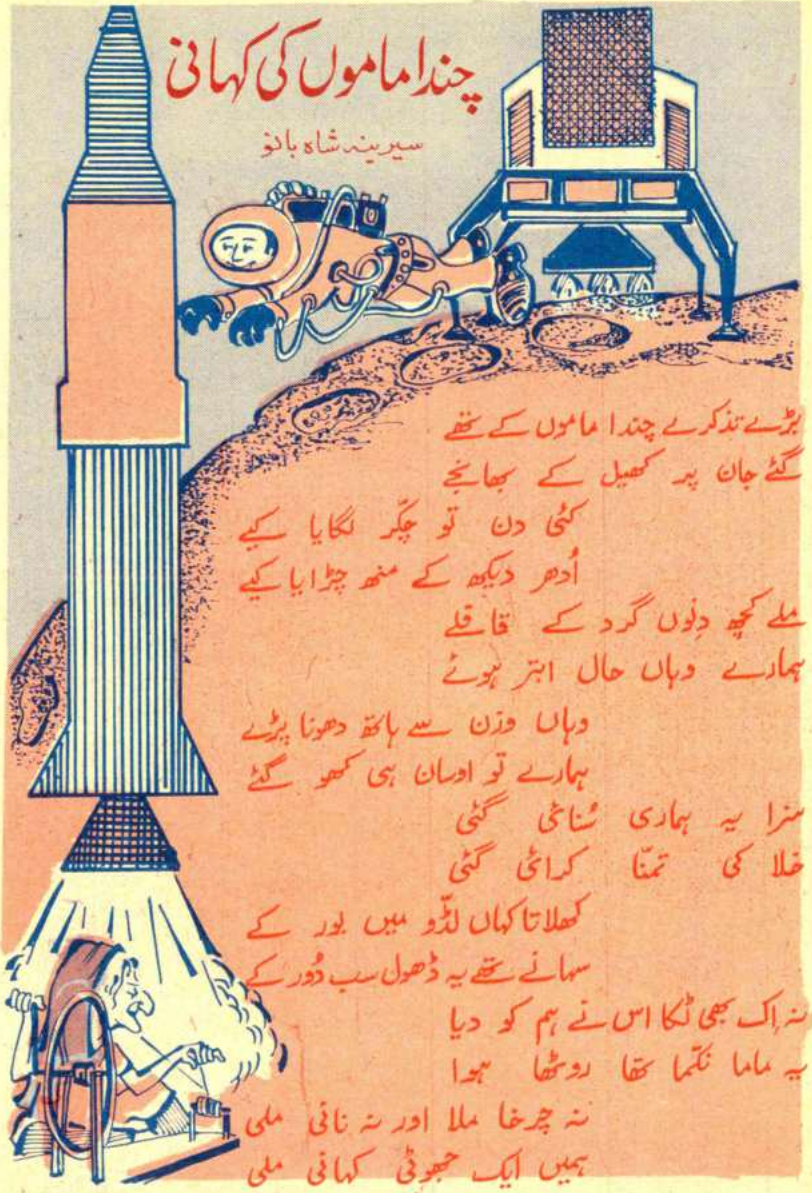

بڑے تذکرے چندا ماموں کے تھے
گئے جان پر کھیل کے بھانجے
کئی دن تو چکّر لگایا کیے
اُدھر دیکھ کے منہ چڑایا کیے

ملے کچھ دِنوں گرد کے قافلے
ہمارے وہاں حال ابتر ہوئے
وہاں وزن سے ہاتھ دھونا پڑے
ہمارے تو اوسان ہی کھو گئے

سزا یہ ہماری سُنائی گئی
خلا کی تمنّا کرائی گئی
کھلاتا کہاں لڈّو میں بور کے
سہانے تھے یہ ڈھول سب دُور کے

نہ اِک بھی ٹکا اس نے ہم کو دیا
یہ ماما نکمّا تھا روٹھا ہوا
نہ چرخا ملا اور نہ نانی ملی
ہمیں ایک جھوٹی کہانی ملی

نونہال !

آپ ذرا غور سے اپنے دانت دیکھیے اور امّی ابّو کو بھی دکھایئے ۔ یہاں کوئی خرابی تو نہیں ہے ؟

- کیا دانت سفید اور بے داغ ہیں ؟
- کیا ان میں گھائیاں تو نہیں پڑ رہی ہیں ؟
- کیا دانتوں کے کونے ٹوٹ تو نہیں رہے ہیں ؟
- کیا مسوڑھے دانت تو نہیں چھوڑ رہے ہیں ؟

احتیاط کیجیے !

- صبح اور رات کو دانتوں کو خوب صاف کرنا چاہیے ۔
- مٹھائیاں زیادہ کھانا دانتوں کے لیے خطرناک ہے ۔
- گوشت زیادہ نہ کھایئے ۔ سبزیاں پھل زیادہ مفید ہیں ۔
- بلا ضرورت دانت کُریدنا نقصان دہ ہے ۔
- دانتوں سے زیادہ سخت چیزیں توڑنا اچھّی بات نہیں ہے ۔

اچھّے نونہال

اچھّا ٹوتھ پیسٹ

اچھّے نونہال ہمیشہ اچھّا ٹوتھ پیسٹ استعمال کرتے ہیں اور اپنے دانتوں اور مسوڑھوں کی پوری حفاظت کرتے ہیں، کیوں کہ وہ یہ نکتہ خوب جانتے ہیں کہ

صحّتِ اسنان - صحّتِ انسان

یعنی دانتوں کی صحّت انسان کی صحت

ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ

پیلو کے اوصاف مسوڑھے مضبوط، دانت صاف

چالیس سال پہلے کی ایک مُسکراتی تحریر

ایک ادیب کی میز

شوکت تھانوی

خدا بخشے علّامہ شبلی کہا کرتے تھے کہ ولایت والوں سے ہندُستانیوں نے صرف دو ہی چیزیں حاصل کی ہیں ایک برف دوسری میز۔ خیر برف کے متعلق تو ہماری رائے یہ ہے کہ اگر اس نعمت کو ولایت والے ہم سے واپس لے لیں تو ان کی عنایت ہوگی، رہ گئی میز، اس کے دراصل ہم بھی معتقد ہیں اور اس اعتقاد کی وجہ صرف یہ ہے کہ اب تو خیر میز گویا درزی کا ٹھیکرا ہے مگر اس ذمہ دارانہ زندگی سے قبل بھی میز کے اور ہمارے تعلقات بہت وسیع رہے ہیں۔ گھریلو زندگی سے لے کر اسکولی زندگی تک بس یہ سمجھ لیجیے کہ میز ہی میز تھی،

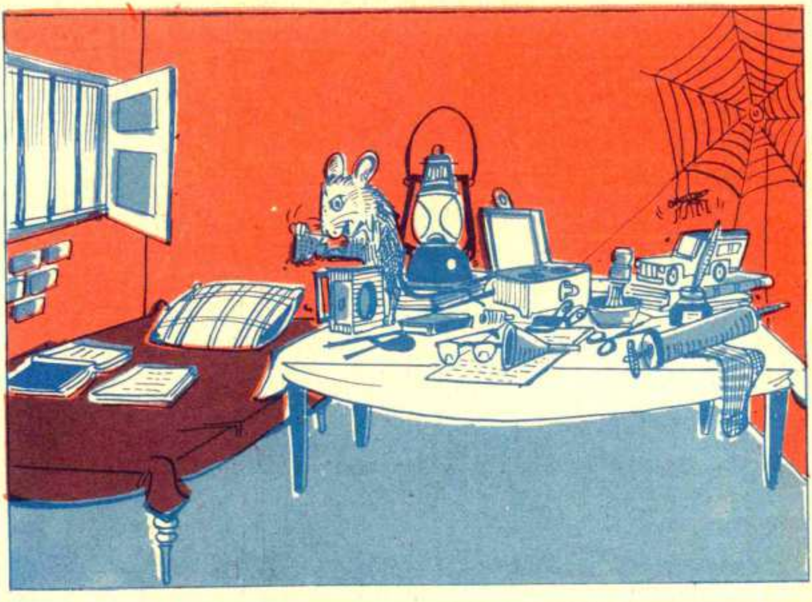

اور تادمِ تحریر اسی میز کا سلسلہ جاری ہے تو اب آپ ہی سمجھ لیجیے کہ ان دیرینہ تعلقات کے ہوتے ہوئے ہم میز کے کیوں کر نہ معتقد ہوں اور اس کو اپنی ضروریاتِ زندگی میں ایک اہم درجہ کیوں کر نہ دیں۔

انگریزوں کے ہاں یا ہندُستانی صاحب لوگوں کے ہاں تو آپ کو اس کثرت سے مختلف اقسام کی چیزیں نظر آئیں گی کہ آپ حیران رہ جائیں۔ لکھنے کی میز الگ ہوگی، کھانے کی میز الگ، تاش کھیلنے کی الگ، سگرٹ پینے کی الگ، حجامت کی الگ، منھ ہاتھ دھونے کی الگ، سنگھار کی الگ، گراموفون کی الگ۔ مختصر یہ کہ سیکڑوں کاموں کے لیے سیکڑوں میزیں آپ کو علاحدہ علاحدہ نظر آئیں گی۔ کسی میز پر صرف ایک تصویر رکھی ہوئی ملے گی تو کسی میز پر صرف سگرٹ کی راکھ احتیاط سے رکھنے والا برتن۔ کوئی میز چینی اور شیشے کے برتنوں سے لدی ہوئی نظر آئے گی تو کوئی میز مکمل ہندُستانی دواخانہ ہوگی۔ کسی میز پر صرف اخبار رکھا ہوگا تو کسی پر صرف ایک بڑا سا گھونگا۔ غرض تو کیا کہ بس قدم قدم پر میز ہی میز ملے گی، لیکن یہ صرف ان دولت خانوں میں ممکن ہے جہاں رُپیہ کی بارش ہر موسم میں ہوتی ہے اور مغربی تقلید کے جوش میں صاحبِ خانہ یہ قسم کھا چکے ہیں کہ اگر انگریز کے مکان میں دس میزیں ہوتی ہیں تو ہم بیس سے کم نہ رکھیں گے۔ رہ گئے ہمارے ایسے "حکم قرار داد دیوالیہ" کی ضمن میں آنے والے معززین۔ میز اُن کے یہاں بھی ہوتی ہے، مگر اس طرح ہوتی ہے کہ پچاس کاموں کے لیے ایک میز یعنی اسی میز پر لکھنے پڑھنے کا سامان رکھا ہوا ہے اور میز ہمارے اسی کام میں آرہی ہے کہ عین اسی وقت اندر سے کھانا آگیا۔ اب ہم جلدی جلدی کاغذ، قلم، دوات، کتاب، بلاٹنگ وغیرہ وغیرہ کو ایک طرف سمیٹ کر یا میز پر سے اُٹھا کر بستر پر رکھ کر میز خالی کر دیں گے اور نہایت باقاعدگی سے اسی میز پر کھانا چُن دیا جائے گا۔ لیجیے یہ کھانے کی میز بن گئی۔ کھانے کے بعد دل چاہا تو اسی میز پر پان دان رکھ کر تنبولی کی دُکان کھول لی، پان دان اُٹھایا یا اسی کے کسی گوشے میں رکھ کر آئینہ، داڑھی بنانے کا صابن، اُسترا، برش وغیرہ لے کر بیٹھ گئے اور دستِ خُود دہانِ خُود کے اصول پر چلتے ہوئے اپنی داڑھی خود ہی صاف کر دی۔ مختصر یہ کہ جب تک وہ میز ہمارے سامنے ہے جس قدر بھی کام ہم کو پڑیں گے سب اسی میز سے پورے کیے جائیں گے۔ چناں چہ آج ہم

محض آپ کو سمجھانے کے لیے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ ہماری میز کس پائے کی ہے اپنی میز صاف کرتے ہیں، تاکہ آپ بہ خوبی اندازہ کر سکیں کہ میز کثرتِ استعمال سے کیا ہو جاتی ہے۔ یہ میز خاص ہماری میز ہے، جو ہمارے پلنگ سے ملی ہوئی کمرے کے ایک کونے میں محض اس لیے رکھی ہوئی ہے کہ اگر ہم لکھتے لکھتے اتفاقاً کبھی اونگھ جائیں تو صبح اپنے کو بستر ہی پر پائیں، یا اگر کبھی کبھی سوتے سے آنکھ کھل جائے اور کچھ لکھنے کو دل چاہے تو چارپائی پر بیٹھے بیٹھے میز کی مدد سے ہم اپنا یہ حوصلہ بھی پورا کر لیں۔ اس میز کے متعلق ہمارا قطعی حکم یہ ہے کہ اس کو کوئی کبھی نہ چھوئے۔ چناں چہ اس میز کے قریب بھی کوئی نہیں جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کو ضرورت کے وقت اپنی ضرورت کی تمام چیزیں اسی میز پر مل جاتی ہیں۔ بہرحال آج ہم محض آپ کی خاطر اپنی میز صاف کرتے ہیں اور ایک ایک چیز اٹھاتے ہیں تاکہ آپ ہماری اس میز کے مرتبے سے آگاہ ہو جائیں۔

پہلی چیز جو ہم اپنی میز پر سے اُٹھا کر بستر پر رکھ رہے ہیں وہ پانوں کی ڈبیا ہے۔ آپ

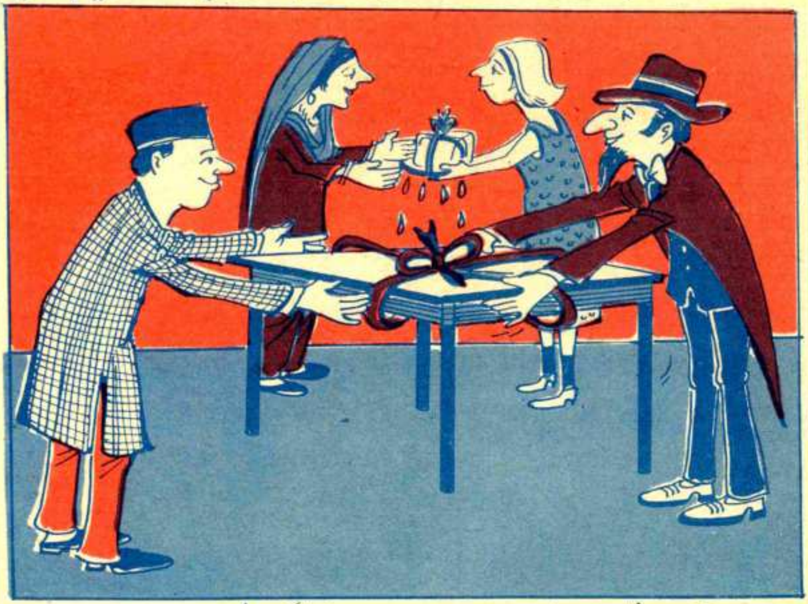

بہ قول علامہ شبلی ولایت والوں سے ہم نے صرف دو چیزیں حاصل کی ہیں ایک برق، دوسری میز۔

کو معلوم ہونا چاہیے کہ پانوں کی ڈبیا ایک اہلِ قلم کے واسطے قلم سے کم ضروری نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ قلم تو وہی الفاظ کاغذ پر لکھے گا جو دماغ میں آئیں، مگر ایک اہلِ قلم کا دماغ اُس وقت تک کام ہی نہیں دے سکتا جب تک کہ اس کا منھ پان چبانے کے لیے نہ چلے۔ دوسری چیز بٹوا ہے۔ اس میں ڈلی، تمباکو اور الائچی وغیرہ ہے۔ غالباً یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ بغیر ان لوازم کے پان نہیں کھایا جاتا۔ یہ دیکھیے لیمپ ہے اور یہ محض اس لیے میز پر رہتا ہے کہ جب رات کو لکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو اس ضرورت کو بغیر اس لیمپ کے پورا نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا بہ نظرِ احتیاط دن کو ہم اس لیمپ کو میز پر سے نہیں ہٹاتے کہ اگر اس کو ہٹایا تو یہ غائب ہو جائے گا۔ یہ ایک موزہ ہے۔ اس کی جوڑ کا دوسرا موزہ عرصے سے غائب ہے، لہٰذا اس کو ہم نے صرف اس لیے میز پر رہنے دیا ہے کہ ممکن ہے وہ مل جائے ورنہ یہ بھی کھو جاتا اور اس کے کھونے کے بعد کھوئے ہوئے موزے کا ملنا بھی بے کار ہوتا۔

دیکھیے یہ بہ ظاہر ایک میلا سا کپڑا ہے، مگر ہے بہت مفید۔ اس سے لیمپ کی چمنی بھی صاف کر لی جاتی ہے۔ اگر میز پر گرد و غبار ہو تو اس کپڑے کو کام میں لایا جا سکتا ہے۔ فاؤنٹین پن میں روشنائی بھرنے کے بعد اسی کپڑے سے نب صاف کیا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ بہت مفید چیز ہے۔ یہ سوڈے کی بوتل کا ربڑ والا چھلّا ہے اور اس کو ہم نے اس وقت کے لیے محفوظ رہنے دیا ہے کہ فرض کر لیجیے ہم لکھ رہے ہیں پورے انہماک کے ساتھ اور کوئی بچّہ کسی بات پر مچل گیا اور لگا اس طرح رونے کہ ہم ایک لفظ بھی آگے نہ لکھ سکیں اُس وقت یہ چھلّا دے کر اس کو بہلایا جا سکے گا۔ یہ ہے ٹائمز آف انڈیا کا ہفتے وار ایڈیشن۔ ہے تو بہت پرانا مگر اس میں تصویریں بہت عمدہ عمدہ ہیں جن کو ہم فریم کرانے کے متعلق مسلسل دو سال سے غور کر رہے ہیں۔

یہ لیجیے بیگم صاحبہ نے اس کے لیے کنویں میں بانس ڈلوا دیے اور گھر کا گوشہ گوشہ چھان مارا، مگر کہیں نہ ملا۔ یہ پان دان کا ڈھکنا غالباً اس روز میز پر آیا تھا جب ہم پانوں کی ڈبیا دفتر میں بھول آئے تھے۔ وہ تو کہیے کہ میز کی وجہ سے محفوظ بھی رہ گیا ورنہ یہ بھلا ملتا کہیں۔

یہ سینما کا اشتہار ہے۔ اچھا ایک بات تو ہے کہ اگر آج سینما والے یہ اعلان کر دیں کہ ایک ہزار رُپے اس شخص کو انعام دیا جائے گا جو ہمارے سینما کا سب سے پرانا اشتہار پیش کرے تو یہ انعام ہم ہی کو مل سکتا ہے۔ خدا جانے یہ اشتہار کیوں کر رہ گیا، یعنی پانچ سال کا پرانا اشتہار ہے۔ اس عرصے میں ہم نے دو ایک مرتبہ تو ضرور میز صاف کی ہو گی مگر یہ ہمیشہ اسی میز پر رہا۔ خیر یہ اب تک رہا ہے تو اب بھی رہے گا۔

یہ ایک رسالہ ہے، جس کے ایڈیٹر صاحب سے ہم نے وعدہ کیا تھا کہ ہم مضمون ضرور بھیجیں گے مگر بھول گئے۔ اب تو یہ رسالہ بھی بند ہو گیا، مگر اس رسالے کی میز پر موجودگی اس لیے ضروری ہے تاکہ کسی اور رسالے سے وعدہ کرنے کے بعد ہم نہ بھولیں۔

یہ دیکھیے یہ بچّوں کے کھیلنے کا موٹر ہے اس میں کوک بھر دیجیے اور چھوڑ دیجیے تو خود بہ خود چلتا ہے۔ ایک مرتبہ صاحب زادے نے اس کو توڑ ڈالا تھا تو ہم نے بہ مشکل تمام اس کی مرمّت کی اور اس دن سے اس کو اپنے ہی پاس رکھ لیا ہے، تاکہ بچّے خراب نہ کریں۔

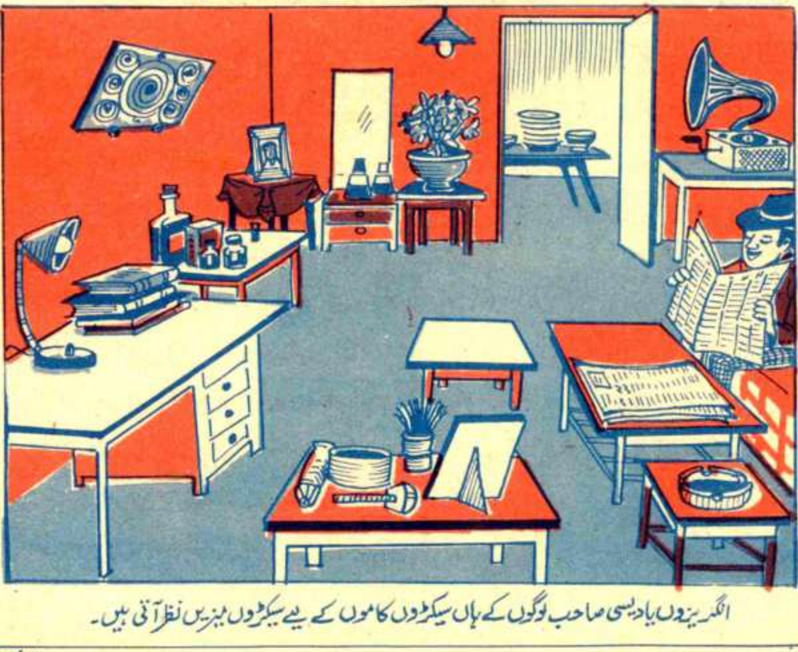

انگریزوں یا دیسی صاحب لوگوں کے ہاں سیکڑوں کاموں کے لیے سیکڑوں میزیں نظر آتی ہیں۔

یہ کنجی کیسی؟ ہاں خوب یاد آیا یہ کنجی بیگم صاحبہ نے پھینک دی تھی تو ہم نے چپکے سے اُٹھا کر رکھ لی تھی کہ جب ڈھونڈیں گی تو ہم ان کی اس لاپروائی پر اُن کو سبق دیتے ہوئے کنجی دے دیں گے، مگر عجیب اتفاق کی بات ہے کہ انھوں نے ہم سے آج تک ذکر ہی نہیں کیا۔ عیر داشتہ آید بکار، رہنے دیں اس کو پھر دیکھا جائے گا۔

یہ خط ہے کسی کا اور عرصے سے محض اس لیے رکھا ہوا ہے کہ شاید ہم کو یاد آجائے کہ ہم نے اس کو کیوں رکھا تھا۔ مگر اب تک یاد ہی نہیں آیا۔

یہ مس سلوچنا کی تصویر ہے۔ افسوس ہے کہ اس احتیاط کے باوجود اس پر تیل کا دھبا خدا جانے کہاں سے پڑ گیا ورنہ یہ تو اس قابل تصویر تھی کہ اس کو شیشے میں جڑوا کر لگایا جاتا اور یہی خیال بھی تھا ہمارا، مگر خیر اب تو یوں ہی رہے گی۔ یہ بات ہے! اس تیل کی کپی کی وجہ سے یہ تصویر خراب ہوئی ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔ اس روز جب بچّے کی موٹر کی مرمّت کی ہے تو اس کپی سے موٹر میں تیل دیا تھا اسی روز سے یہاں پڑی ہے، مگر اب تو اس کا سب تیل ہی گر گیا ہے۔ اب اس کے رہنے میں کیا مضائقہ ہے۔

یہ ایک ڈکشنری ہے اور بہت قیمتی ڈکشنری ہے، خصوصاً معمے حل کرنے میں تو اس سے بڑی مدد ملتی ہے افسوس کہ اس پر بھی تھوڑا سا تیل پڑ گیا۔ وہ تو کہیے کہ صرف جلد خراب ہوئی ورنہ کتاب ہی غارت ہو جاتی۔

لیجیے یہ سروتا یہاں رکھا ہے، جس کے متعلق تلاش سے تھک جانے کے بعد بیگم صاحبہ کا قطعی خیال یہ تھا کہ ہو نہ ہو دھوبن چُرا لے گئی ہے اور اُن کا یہ خیال غلط نہیں تھا بلکہ واقعہ بھی یہی ہے کہ اگر یہ سروتا ہماری میز پر احتیاط سے نہ رکھا ہوتا تو یقیناً دھوبن کے ہاں ہوتا۔ وہ ضرور چُرا لے جاتی اور اب بھی اگر ہم نے اس کو میز پر سے ہٹایا تو یہ چوری ہو جائے گا۔

یہ دیا سلائی کی ایک خالی ڈبیا ہے۔ بہ ظاہر تو یہ ایک بے کار سی چیز ہے، لیکن اگر آپ کو آج ہی کوئی انگوٹھی اپنے کسی عزیز یا دوست کے نام بہ ذریعہ پارسل بھیجنا پڑے تو یہی بے کار سی چیز اس قدر کارآمد ثابت ہو گی کہ آپ واقعی خوش ہو جائیں گے۔

آپ کہیں گے کہ یہ لکڑی خواہ مخواہ میز پر کیوں رکھی گئی ہے۔ مگر سنیے یہ خواہ مخواہ نہیں

رکھی گئی ہے، بلکہ ہمیشہ ہوتا یہ تھا کہ پاجامے میں ازار بند ڈالنے کے لیے اگر قلم استعمال کیا گیا تو اس کی نب مجروح ہو گئی، اور پنسل استعمال کی گئی تو ٹوٹ گئی۔ اس مستقل بدتمیزی اور نقصان سے بچنے کے لیے ہم نے یہ لکڑی لا کر رکھی ہے۔ اب آپ بھی کہیں گے کہ یہ کس قدر ضروری چیز ہے۔

یہ خط لکھنے کے کاغذوں کا پیڈ ہے۔ یہ لفافوں کا ڈبّا ہے۔ یہ ایک دوات ہے بحال آنکہ اس میں روشنائی نہیں ہے، لیکن اگر آپ ذرا سا پانی اس میں ڈال دیں اور دو منٹ اس کو ہلائیں تو خدا کی ذات سے امید ہے کہ آپ کو نہایت خوش رنگ روشنائی تیار ملے گی۔ بات یہ ہے کہ اس کی روشنائی خشک ہو گئی ہے۔

یہ اُونی کپڑوں کے نمونوں کی کتاب ہے جو لال املی سے آئی تھی، اس میں عجیب عجیب ڈیزائن کے کپڑے ہیں۔ چناں چہ جس دن ہم کو کپڑا خریدنا ہوتا ہے ایک دن پہلے سے ہم اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں اور پھر ہم کو کپڑے کی خریداری میں بہت سی آسانیاں محض اس نمونوں کی کتاب کی وجہ سے حاصل ہو جاتی ہیں۔

یہ سائکل کا لیمپ ہے۔ ہم کو اس کا اعتراف ہے کہ میز پر اس کا کوئی تُک نہیں، مگر یہ خیال فرمائیے کہ اگر ہم اس کو میز کے علاوہ کہیں اور رکھیں تو صاحب زادگانِ بلند اقبال عرصے سے اس تاک میں ہیں کہ ان میں سے ایک بنے ریلوے انجن کا ڈرائیور اور ایک گارڈ بن کر اسی سائکل کے لیمپ کو گارڈ کی لالٹین بنا کر ہلائے۔ مختصر یہ کہ ہماری سائکل بے لیمپ کی ہو جائے، اس لیے کہ اس کھیل کے بعد اس کا ٹوٹ جانا برحق ہے تو جناب اس کو ہم اسی لیے میز پر رکھتے ہیں۔

یہ ملاحظہ فرمائیے دیوانِ غالب ہے۔ غالباً اس کی موجودگی ہماری خوش مذاقی کی ایک روشن دلیل ہے۔ ہم کبھی کبھی جب موسم خراب ہوتا ہے یعنی بارش وارش ہونے لگتی ہے یا ہم کو بخار وُخار ہو جاتا ہے تو اس کو چارپائی پر لیٹ کر پڑھتے ہیں۔ یہ ویسٹ اینڈ واچ کمپنی کی فہرست ہے، اس میں گھڑیوں کی تصویریں دیکھ کر بچے خوش ہوتے ہیں۔ یہ اخبار "تیج ویکلی" کا فائل ہے۔ اس کے متعلق ہماری سخت ہدایت یہ ہے کہ یہ دوسری تمام چیزوں سے زیادہ احتیاط سے رہے اور دوسرے اخبارات کے ساتھ ردّی میں بیچا نہ

جائے، اس لیے کہ اس کے متعلق ہمارا مُصمّم ارادہ یہ ہے کہ اس کے فائل کی جلد بندھوائیں گے۔

افسوس اس غیاث اللغات کو چوہوں نے کاٹ ڈالا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری میز پر بھی چوہے آنے لگے ہیں اور اب مجبوراً ہم کو میز پر چوہے دان بھی رکھنا پڑے گا۔ ورنہ سب چیزیں چوہے تناول فرما جائیں گے۔

یہ رسالہ "آئینہ" ہے۔ دہلی سے نکلتا تھا۔ بہت اچھا رسالہ تھا۔ اب عرصے سے نہیں نکلا ہے۔ ہم نے اس کو نہایت احتیاط سے محض اس لیے رہنے دیا ہے کہ اس آئینے میں ہم اپنی خود غرضی کا چہرہ دیکھ سکیں۔ اس بے چارے نے دوستانہ اور مخلصانہ تعلقات کی بنا پر ہم سے بارہا مضمون طلب کیا، مگر ہم نے اُجرتی مضامین کے پیچھے اس کی پروا نہیں کی، افسوس ہمارے حال پر۔ یہ کُنین کی گولیاں ہیں اور یہ امرت دھارا۔ ہماری آخری وصیت اپنی اولاد سے یہ ہوگی کہ ان دونوں چیزوں کو بلکہ ٹنچر آیوڈین کو بھی ہمیشہ اپنی اپنی میز پر رکھا کریں۔

یہ داڑھی بنانے کے لیے پانی رکھنے والی کٹوری ہے۔ جو حضرات داڑھی بناتے رہتے ہیں وہ اس کی اہمیت کو خوب سمجھتے ہوں گے۔ یہ قینچی ہے اور یہ ہمارا پرانا بٹوا ہے۔ اس کو محض اس لیے رہنے دیا ہے کہ اگر نیا بٹوا کھو جائے تو اسی سے کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ سائکل کا پمپ ہے اس سے ہم دو کام لیتے ہیں، ہوا بھی بھرتے ہیں اور ڈول کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ اگر میز پر سے اس کو بچے اُٹھائے جائیں تو ایک دوسرے کے منھ میں ہوا بھرنے کے کام میں لا کر اس کے یہ دونوں مفید کام ختم کرا دیں۔

اب میز پر صرف دو چیزیں رہ گئی ہیں۔ ایک قلم دان جس میں علاوہ قلم، پنسل، ربڑ وغیرہ کے سوئی اور تاگا بھی ہے اور دوسری چیز ہمارا آفس بکس ہے جس میں آگے سے تالا پڑا ہوا ہے اور کنجی کھو گئی ہے پیچھے سے قبضے ٹوٹ جانے کی وجہ سے نہایت آسانی سے کُھل جاتا ہے۔ اس میں بہت سی ضروری چیزیں از قسم اقرار نامے، بیع نامے، کچھ تصاویر، ہمارا خاندانی شجرہ، لائف انشورنس کمپنی کے کاغذات وغیرہ وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔

میز کا سامان تو ختم ہو گیا اور باقی رہ گئی گرد، وہ بھی جھاڑے دیتے ہیں، مگر ٹیبل کلاتھ

کے نیچے بہت سے کاغذات رکھے ہوتے ہیں جو ایسے ضروری ہیں کہ ہم اُن کو چھیڑنا نہیں چاہتے۔ اس کے بعد میز کے اس گوشے میں جو دیوار کی طرف ہے مکڑی نے جالا تان رکھا ہے۔ ہم چاہیں تو اس جالے کو صاف کر سکتے ہیں مگر آپ ہی بتایئے کہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ گویا ہم اپنی صفائی کے لیے اس بے زبان مخلوق کا گھر تباہ کر رہے ہیں۔ اگر بجائے ہمارے وہ اشرف المخلوقات میں سے ہوتی تو خدا جانے ہمارا کیا حشر ہوتا۔ ہم اس غریب کی بددعا سننے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اس کو یوں ہی رہنے دیتے ہیں۔ بہر حال خدا آپ حضرات کا بھلا کرے کہ آج آپ کے طفیل میں ہماری میز ایک عرصے کے بعد صاف کی گئی ہے۔

پتا نہ لکھنے کے نقصان

بعض نونہال جب کوئی خط لکھتے ہیں، مضمون، کہانی، تصویر یا تحریر بھیجتے ہیں تو اس پر اپنا پتا نہیں لکھتے۔ بعض نونہال ایک لفافے کی کئی تحریروں میں سے کسی ایک تحریر پر یا صرف لفافے پر اپنا پتا لکھنا کافی سمجھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب یہ تحریریں الگ خانوں یا فائلوں میں چلی جاتی ہیں تو اُن کے ساتھ پتا نہیں رہتا۔ نونہالوں کے اخلاق بہت اچھے ہیں۔ اس لیے ان کو یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کسی کو خط لکھا جائے تو اس کو اپنا پتا لکھنا بھی اخلاقی فرض ہے اس لیے جب بھی آپ کوئی خط یا تحریر لکھیں سب سے پہلے کاغذ کے اوپر اپنا نام اور پورا پتا صاف صاف لکھیے۔

پتا نہ لکھنے سے کئی طرح کے نقصان ہوتے ہیں۔ ایک تو یہی ہے کہ جس کو آپ نے خط لکھا ہے اس کو پریشانی اور الجھن ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ کو جواب نہیں ملتا یا آپ کی تحریر شائع نہیں ہوتی۔ تیسرا ایک نقصان اور بھی ہے۔

وہ نقصان ہے کہ ہمارے صدر مجلس محترم حکیم محمد سعید صاحب کبھی کبھی کسی نونہال کی تحریر سے خوش ہو کر خوشی کے اظہار کے لیے اس کو کوئی کتاب تحفے میں بھیجتے ہیں۔ پتا نہیں ہو گا تو تحفہ کہاں بھیجیں گے؟ خط لفافے میں بند کرنے سے پہلے دوبارہ دیکھ لینا چاہیے کہ ہم کہیں اپنا نام پتا لکھنا تو نہیں بھولے۔ شاباش۔

س: اسکائی لیب کس طرح کام کرتی ہے؟ کلثوم عظمت اعوان، کراچی

ج: جن خلائی جہازوں میں تحقیقات کے لیے ایک تجربہ گاہ قائم کر دی جاتی ہے اُسے اسکائی لیب کہتے ہیں۔ اسے ایک راکٹ کے ذریعہ سے اوپر لے جایا جاتا ہے اور زمین کے چاروں طرف اُسے اسی طرح گردش دے دی جاتی ہے جیسے مصنوعی سیارے کو دی جاتی ہے یعنی اسکائی لیب مستقل طور پر ہماری زمین کے چاروں طرف گھومتی رہتی ہے اور اُس میں لگے ہوئے خود کار سائنسی آلات خلا کے متعلق مفید معلومات رِکارڈ کرتے رہتے ہیں۔

س: جل کر ہر چیز ختم ہو جاتی ہے، مگر سورج کے اندر گیس کھربوں سال سے جل رہی ہے۔ یہ ختم کیوں نہیں ہوتی؟ راشد احسان، شیخوپورہ

ج: سورج اوسط درجے کا ایک ستارہ ہے اور کھربوں سال سے تو نہیں البتہ اربوں سال سے ہمیں اسی طرح روشنی اور حرارت دے رہا ہے۔ اُس میں ہائیڈروجن گیس بھری ہے، جس کے ایٹم اندرونی زبردست دباؤ کی وجہ سے ٹوٹتے رہتے ہیں اور اس طرح جو توانائی خارج ہوتی ہے وہ روشنی اور حرارت کی شکل میں ہم تک پہنچتی رہتی ہے۔ نہ صرف ہم تک بلکہ نظامِ شمسی کے سب سیّارے اُس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ گیس رفتہ رفتہ خرچ ہو رہی ہے اور ایک دن ایسا آئے گا جب وہ بالکل ختم ہو جائے گی اور ہمارا یہ نہایت روشن سورج تاریک ہو جائے گا۔ اُسے قیامت کہیے یا کچھ اور۔ کائنات میں ستاروں کے مرنے جینے کا یہ

کھیل برابر جاری رہتا ہے۔

س: انسانی جسم کا سرد ترین حصّہ کون سا ہے؟ سید افسر مہدی، کراچی

ج: انسانی جسم کے کسی حصّے کو درجۂ حرارت کے اعتبار سے دوسرے حصّوں سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ جب انسان کو بخار ہوتا ہے تو سب حصّوں کا ٹمپریچر ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ جو حصّے لباس سے ڈھکے رہتے ہیں یا جہاں جوڑ ہیں وہاں حرارت اکھٹی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے درجۂ حرارت (ٹمپریچر) کے لیے ہم تھرمامیٹر منھ یا بغل میں لگاتے ہیں۔ چوں کہ چہرے اور ہاتھوں کو ہوا لگتی رہتی ہے اس لیے وہاں تھرمامیٹر نہیں رکھ سکتے۔

س: ریڈار کی ساخت کیسی ہے اور وہ کس اصول پر کام کرتا ہے؟

عنایت اللہ عتیق، کراچی

ج: دوسری جنگِ عظیم کا یہ جنگی آلہ شہری آبادی کو دشمن کے ہوائی حملوں کی پہلے سے اطلاع دے دینے کے لیے بنایا گیا تھا۔ اس میں ریڈیائی لہریں چھوڑنے اور انھیں واپس وصول کرنے، نیز ٹیلے وژن جیسے ایک پردے پر راستے کی چیزوں کی تصویر پیش کر دینے کا انتظام ہوتا ہے۔ ریڈیائی لہریں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چاروں طرف پھیل جاتی ہیں۔ اگر انھیں راستے میں دشمن کا کوئی طیارہ یا کوئی اور چیز ملتی ہے تو وہ اُس سے ٹکرا کر فوراً واپس آتی ہیں اور ریڈار کے پردے پر اُس کی تصویر پیش کر دیتی ہیں۔ اگر دشمن کا بمبار آنے سے پہلے اس کا پتا چل جائے تو آپ اپنی حفاظت کا بندوبست بھی کر سکتے ہیں اور اُسے مار گرانے کا بھی۔

س: کیا پیاز گُردے کے مریض کے لیے نقصان دہ ہے؟ یہ نقصان کس وجہ سے ہوتا ہے؟

غزالہ پروین، مانسہرہ

ج: پیاز میں ایک طرح کا تُرشہ ہوتا ہے۔ اگر زیادہ مقدار میں استعمال کی جائے تو یہ ترشہ نقصان رساں ثابت ہو سکتا ہے۔ گردوں کا مریض ایسی چیزوں سے پرہیز کرتا ہے جو

سوزش یا جلن پیدا کریں۔

س: دن بھر باہر گھومنے کے بعد جب ہم کمرے میں آتے ہیں تو اندھیرا کیوں لگتا ہے؟
پرویز سرور، سکھر

ج تیز روشنی میں رہنے کی وجہ سے ہماری آنکھ کی پُتلی سُکڑ جاتی ہے اور جب ہم اندھیرے کمرے میں داخل ہوتے ہیں تو پتلی کو پھیلنے اور صحیح حالت میں آنے کے لیے کچھ وقت لگ جاتا ہے۔ اس لیے شروع میں کچھ دیر ہمیں اندھیرا معلوم ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد یہ صورت باقی نہیں رہتی اور کمرے کی ہر چیز صاف نظر آنے لگتی ہے، کیوں کہ پُتلی اپنی اصلی حالت پر واپس آجاتی ہے۔

س: دیکھنے میں آیا ہے کہ برف پانی پر تیرتی رہتی ہے، لیکن الکحل یا شراب میں ڈوب جاتی ہے؟
محمد اسلم پرویز، کراچی

ج: غالباً آپ کا مشاہدہ صحیح ہے۔ برف ایسے تمام رقیق مادوں پر تیرتی ہے اور اس کے تیرنے کا انحصار ارشمیدس کے اصول پر ہے۔ پانی کی اُچھال اُسے اوپر رکھتی ہے، نیچے نہیں آنے دیتی۔

س: زہر کس طرح بنتا ہے اور انسان کے جسم میں کس طرح پھیلتا ہے؟ شاہد محمود آصف، جھنگ

ج: مختلف زہر مختلف طریقوں سے بنائے جاتے ہیں۔ یہ ایک کیمیائی موضوع ہے اور اس کی تفصیل یہاں درج نہیں کی جاسکتی، لیکن ہر زہر ہمارے نظامِ ہضم اور دورانِ خون پر بہت بُرا اثر ڈالتا ہے۔ بعض زہر آنتوں کو خراب کر دیتے ہیں اور بعض سے قلب پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ پھر زہر کی اپنی مقدار پر بھی منحصر ہے کہ کتنا استعمال کیا گیا ہے۔

س: اینٹی مارٹم سے کیا مراد ہے؟ رحمٰن اللہ خان بہرام، ٹنڈو محمد خان

ج: جس طرح پوسٹ مارٹم کا مطلب ہے مرنے کے بعد، اسی طرح اینٹی مارٹم کا مطلب ہے مرنے سے پہلے، کیوں کہ انگریزی میں "اینٹی" کا مطلب قبل یا پہلے ہے۔

ہمدرد گھٹّی

بچّوں کے نظامِ ہضم کے لئے ایک قدرتی دوا

چنیدہ نباتات سے صدیوں پرانے اصولوں پر تیار کردہ ہمدرد گھٹّی نومولود بچّوں کا پیٹ صاف کرنے کے لئے ایک قدرتی دوا ہے۔ انتہائی خوش ذائقہ ہمدرد گھٹّی بچّوں کو گیس، قبض اور پیٹ کی بہت سی دوسری تکلیفوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

نونہال مصوّر

جاوید شہزاد، چکوال

جمیل احمد خان، کراچی

یاسمین، کراچی

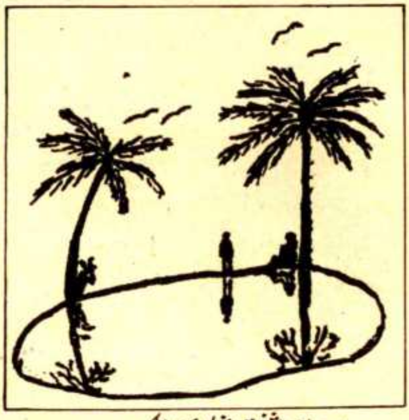

سید احمد شفیق بخاری، اٹک

صحت مند نونہال

ایم ارشد، سرگودھا

محمد عرفان، کراچی

جاوید اقبال، کراچی

حمید اللہ خان سرحدی

سلمان احمد، حیدر آباد

محرم علی، کراچی

عرفان امجد، کراچی

قمر الدین، کراچی

محمد شاہد انصاری، کراچی

محمد عرفان، کراچی

راشد اختر، کراچی

کامران نیاز، کراچی

شاہین ناصر، کراچی

عاصمہ تبسم نور احمد

بزم ہمدرد نونہال کے تیسرے جلسے میں ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی مہمان خاص تھے

کھلی چھت، چلچلاتی دھوپ، اینٹ کا تکیہ، کتاب کا مطالعہ

سائنس پڑھنے سے ذہن کی کھڑکیاں کھل جاتی ہیں

شہزاد منظر

۱۹ اکتوبر ۸۵ء کی بزم ہمدرد نونہال کے تیسرے جلسے میں دنیا بھر میں مشہور پاکستانی سائنس داں ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی کو بچّوں سے ملنے کے لیے دعوت دی گئی تھی۔ اس بار بزم ہمدرد نونہال میں سائنس کلب اوف پاکستان کے تعاون سے بچّوں کے بنائے ہوئے سائنسی آلات کا اہتمام بھی کیا گیا تھا جسے بڑوں اور بچّوں نے بہت شوق اور دل چسپی سے دیکھا۔

جناب ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی اور جناب حکیم محمد سعید حاضرین کے والہانہ استقبال کا جواب دے رہے ہیں

جناب حکیم محمد سعید صدیم احمد کی تلاوتِ قرآنِ پاک بڑی توجہ سے سُن رہے ہیں۔

جلسے کا آغاز سینٹ پیٹرک اسکول کے ننھے مُنّے قاری صدیم احمد کی تلاوتِ قرآن سے ہوا۔ اس کے بعد دو بچیوں مینا اور فرح نے سَرورِ کائناتؐ کے حضور میں ہدیۂ نعت پیش کیا۔ اس کے بعد مختلف اسکولوں کے بچّوں کی جانب سے بنائے جانے والے سائنسی آلات کے بارے میں بنانے والے بچّوں نے خود ان آلات کی خوبیاں بیان کیں۔ جن طلبہ اور طالبات نے ان آلات کی وضاحت کی ان کے نام یہ ہیں: (۱) سلمٰی سراج، گورنمنٹ پائلٹ گرلز اسکول۔ (۲) صائمہ بشیر، نیو ٹاؤن اسکول۔ (۳) صدف ماریا اور ارم مصطفےٰ، دہلی سیکنڈری گرلز اسکول۔ (۴) سیما عباس، جیکب لائنز گرلز اسکول۔ (۵) ناصرہ اسلام، ہیپی ہوم اسکول۔ (۶) عدنان محمد، ہیپی ہوم اسکول۔ (۷) وقار ملک، کراچی اکیڈمی۔ (۸) عامر صدیقی، کمپری ہنیسو ہائی اسکول۔ (۹) بشریٰ فاروقی، گورنمنٹ پائلٹ اسکول عزیز آباد۔ (۱۰) سید علی حسین کاظمی، حبیب پبلک اسکول۔ (۱۱) بریرہ، جیکب لائنز اسکول۔

اس کے بعد سائنس کلب اوف پاکستان کے نگراں پروفیسر سید محمد عارف رضوی نے خطاب کیا۔ جناب ڈاکٹر سلیم الزماں ٹھیک چار بجے جلسہ گاہ میں تشریف لائے اور انھیں دیکھ کر ان کے

احترام میں بڑے اور بچّے اپنی نشستوں سے کھڑے ہو گئے اور بہت دیر تک تالیاں بجا کر اُن کا پُرجوش استقبال کیا۔

بچّوں اور بڑوں کی یکساں ہر دل عزیز شخصیت جناب حکیم محمد سعید نے کہا کہ سب سے پہلے میں آج کی مجلس کے مہمانِ خصوصی جناب ڈاکٹر سلیم الزماں کا ادب، احترام اور خلوص کے ساتھ استقبال کرتا ہوں، اسی کے ساتھ نونہالوں اور ان کے والدین کا بھی استقبال کرتا ہوں۔ اس نمائش میں جن نونہالوں نے حصّہ لیا ہے اُن کو مبارک باد دیتا ہوں۔ یہ نمائش اس بات کی

بزم ہمدرد نونہال میں شریک بچّے اور بڑے

علامت ہے کہ اب ملک میں سائنس کی ترقی کے لیے فضا ہموار ہو چکی ہے اور بچّے، بڑے سائنس میں پہلے سے زیادہ دل چسپی لے رہے ہیں۔ ملک میں سائنس کی ترقی میں صدرِ پاکستان محترم جنرل ضیاء الحق صاحب نے خصوصی دل چسپی لی ہے۔ وہ سائنس دانوں کی عالمی انجمن کے صدر بھی ہیں۔ ہمیں محترم ضیاء الحق صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ انھوں نے سائنس کی ترقی کی طرف ذاتی توجہ دی۔

یہ کہنا صحیح ہے کہ آج کا دَور سائنس کا دَور ہے، لیکن یہ دَور ماضی میں بھی رہا ہے۔ یہ کہنا کہ ماضی میں سائنس کا دَور نہیں تھا، غلط ہے۔ ہر دَور میں مسلمانوں میں سائنس داں پیدا

ایک طالبہ اپنی سائنسی ایجاد کی تفصیل بیان کر رہی ہیں

ہوئے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ہم نے اُن کی عظیم خدمات کا اعتراف نہیں کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ماضی تاریک تھا، حال آنکہ ہمارا ماضی ایک روشن دَور تھا۔ ماضی میں ایک مسلمان سائنس داں حکیم المقنع نے مصنوعی چاند بنایا تھا جو ماہِ نخشب کے نام سے مشہور ہوا۔ جسے وہ دن کے وقت کنویں میں ڈال دیتے تھے، جس میں تیزاب بھرا ہوا ہوتا تھا۔ رات کو جب یہ چاند نکالا جاتا تو اس سے چودہ میل تک روشنی پھیل جاتی تھی۔ یہ واقعہ آج سے ہزاروں سال پہلے کا ہے۔ روس نے خلا میں پہلی بار اپنا مصنوعی سیّارہ اسپوتنک چھوڑا تو اس وقت روس نے مسلمانوں کی کوششوں کا اعتراف کیا تھا۔ اس کے بعد پھر اس کا تذکرہ نہیں آیا۔

جناب حکیم محمد سعید نے مزید کہا کہ دورانِ خون کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے ولیم ہاروے نے دریافت کیا ہے جب کہ ثابت ہو چکا ہے کہ دورانِ خون کے پہلے شارح ابنِ نفیس تھے۔ اس وقت دنیا کی مختلف لائبریریوں میں تقریباً ۳۰ لاکھ ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں۔ یہ کتابیں ۹ ویں صدی سے لے کر ۱۴ ویں صدی عیسوی کے دوران لکھی گئی ہیں۔ اس کے برعکس مغرب میں ۱۷ ویں سے ۱۸ ویں صدی کے دوران صرف ۸۲ کتابیں لکھی گئیں۔ کون کہتا ہے کہ علم کے معاملے میں ہمارا دَور عظیم الشان نہیں تھا۔ سائنس پر اتنی تعداد میں کتابیں لکھنے والے

سائنس داں ہی تھے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان کا جائزہ لیں۔ مسلمان سائنس داں ابن الہیثم پہلا شخص تھا جس نے ایک ہزار سال قبل بصریات پر اپنی کتاب "کتاب المناظر" لکھی۔ بعد میں یہ کتاب ضائع ہو گئی یا غائب کر دی گئی۔ اس کے بعد ایک انگریز مصنف نے اس نظریہ کے بارے میں دعوا کیا۔ اس مصنّف کی جو کتاب سامنے آئی وہ "کتاب المناظر" کا تقریباً ترجمہ تھی۔

جن طالبات نے سائنسی نمائش میں اپنی ایجادات پیش کیں۔

مغربی سائنس داں چاند پر پہنچ گئے ہیں، حال آنکہ خلا میں ہمیں پہنچنا چاہیے تھا، لیکن ہم پیچھے رہ گئے۔ ہم سائنس کے میدان میں بہت کچھ کر سکتے تھے۔ اگر ہم آج بھی اس جانب توجہ دیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہمارے ہاں بڑے بڑے سائنس داں پیدا نہ ہوں۔

جناب حکیم محمد سعید نے فرمایا کہ قرآنِ حکیم میں سیکڑوں جگہ علم (سائنس) کا ذکر ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے سوچو، غور کرو۔ ہمارے بچّے یقیناً اس قابل ہیں کہ وہ غیر معمولی کارنامے انجام دے سکیں، لیکن ہمارا تعلیمی نظام ناقص ہے۔ ہمارے تعلیمی نظام میں انقلاب لانے کی ضرورت ہے۔ حکیم صاحب نے بچّوں سے کہا کہ خوب سائنس پڑھو، آگے بڑھو، بڑے بڑے کارنامے انجام دو۔ محنت کی عادت ڈالو۔

حکیم صاحب کے بعد مہمانِ خاص ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی تقریر کرنے مائیک پر آئے تو ایک بار پھر بچّوں بڑوں تمام حاضرین نے کھڑے ہو کر تالیاں بجائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ہنستے ہوئے کہا کہ آج میں نے اپنی زندگی کے ۸۸ سال پورے کر لیے ہیں اور اسی لیے جناب حکیم محمد سعید صاحب نے مجھے اس بزم میں بُلایا ہے۔ میں اس وقت بچّوں کے سامنے اپنے بچپن اور اپنی تعلیم کا کچھ ذکر کروں گا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے تفصیل سے اپنی تعلیمی زندگی کے بارے میں بچّوں کو بتایا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے سب سے پہلے بغدادی قاعدہ پڑھا، پھر قرآن شریف اور اس کے بعد اردو اور حساب پڑھنا شروع کیا۔ والد نے مجھے "آمد نامہ" حفظ کرایا۔ اس سے میری اردو بھی اچھی ہو گئی۔ میرے استاد مولوی عبدالرب صاحب تھے، جن سے شیخ سعدیؒ کی گلستان اور بوستان پڑھی۔ اس کے بعد انگریزی تعلیم شروع ہوئی۔ میرے والد کا جب انتقال ہوا تو میری عمر ۱۱ سال تھی۔ ان کے بعد بڑے بھائیوں نے میری تربیت اور نگرانی کی۔ میٹرک کر کے میں بمبئی چلا گیا۔ اسی دوران میں نے فلسفہ اور فارسی پڑھی۔ وہاں سے انگلستان اور جرمنی گیا جہاں سے علمِ کیمیا میں ڈاکٹریٹ کی سند لی اور پھر

طلبہ اپنی ایجادات کے ساتھ

سائنسی نمائش میں حصہ لینے والے طلبہ اور طالبات

ہندستان واپس آکر دہلی میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں کی سرپرستی میں ریسرچ کرنے لگا۔ دیسی جڑی بوٹیوں پر تحقیق کرکے بلڈ پریشر اور ذہنی بیماریوں کی دوائیں دریافت کیں۔

جناب ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی صاحب نے بتایا کہ ان کے والد شاعر اور خوش نویس تھے، اس لیے اُن کو شاعری اور مصوّری کا شوق ورثے میں ملا ہے۔ انھوں نے کہا کہ بچپن میں ایک بزرگ ولایت علی 'بمبوق' نے کہا تھا کہ خوب پڑھا کرو، جو کتاب بھی ملے پڑھو۔ تاکہ کتاب پڑھنے کی عادت پڑ جائے۔ جب پڑھنے کی عادت ہو جائے گی تو پھر اچھی اچھی کتابیں بھی پڑھو گے، چناں چہ میں خوب پڑھتا تھا۔ طلسم ہوش رُبا جیسی موٹی کتاب میں نے گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں گھر کی کھلی چھت پر دیوار کے سائے میں اینٹ پر سر رکھ کر پڑھی۔ آج کل ذرا پڑھنے کا شوق کم ہو گیا ہے۔ میں بچّوں کو مشورہ دوں گا کہ وہ ہر قسم کی کتابیں پڑھا کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ سائنس کے مطالعے سے ذہن کی کھڑکیاں کھل جاتی ہیں۔ انھوں نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ اُن کی پہلی کمائی کیمیا سے نہیں بلکہ مصوّری سے ہوئی۔ ۱۹۲۴ء میں میری ایک تصویر جرمنی میں فروخت ہوئی تھی۔ شاید بہت

ایک طالبِ علم اپنی ایجاد بتا رہا ہے اور جناب حکیم محمد سعید ہمہ تن گوش ہیں۔

سے لوگوں کو تعجب ہو کہ ڈاکٹر صاحب بہت اچھے آرٹسٹ بھی ہیں اور شاعری کا بھی بڑا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ جانور اور انسان میں فرق صرف دماغ کا نہیں بلکہ جسمانی بناوٹ کا بھی فرق ہے، مثلاً انگوٹھے کو لیجیے۔ دنیا میں صرف بندر اور بن مانس کے سوا کسی جانور کے انگوٹھا نہیں ہوتا۔ شیر کتنا طاقت ور جانور ہے اور اس کے پنجے میں کتنی طاقت ہے۔ وہ جانور شکار کر کے کھا سکتا ہے، لیکن دانتوں میں پھنسے ہوئے گوشت کو خود نہیں نکال سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ شیر کے دانتوں سے چوہا گوشت نکالتا ہے۔ اس کے بعد چند بچّوں نے ڈاکٹر صاحب سے سوالات کیے۔ جن کے جوابات ڈاکٹر صاحب نے بڑی شفقت سے دیے۔

جناب ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی صاحب کے بعد بچّوں کے مشہور ادیب جناب مسعود احمد برکاتی نے تقریر کی۔ انھوں نے ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب کی زندگی عمل اور استقلال کا دوسرا نام ہے۔ وہ مسلسل پچاس سال سے زیادہ مدّت سے رُکے اور تھکے بغیر اور اِدھر اُدھر دیکھے بغیر سائنسی تحقیق میں مصروف ہیں اور اس عمر میں بھی آٹھ گھنٹے روزانہ اپنی تجربہ گاہ میں کام کرتے ہیں۔ سائنس کے میدان میں سلیم، سلام اور قدیر پاکستان کی آبرو ہیں۔ برکاتی صاحب کی مراد ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی صاحب، ڈاکٹر عبدالسلام صاحب اور

ڈاکٹر عبد القدیر صاحب سے تھی۔ انھوں نے کہا کہ آج جن بچّوں نے اپنی سائنسی ایجادات اور ماڈل یہاں نمائش میں رکھے ہیں یہ اُن کے ننھّے مُنّے ذہنوں کی پیداوار ہیں اور ان کے شوق اور لگن کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ یہ بچّے یقیناً مستقبل کے عظیم

ایک سائنسی ایجاد کی تفصیل موجد طالب علم کی زبانی

سائنس داں بنیں گے۔ برکاتی صاحب نے زور دے کر کہا کہ

"علم امن کا دوسرا نام ہے اور جنگ جہالت کی اولاد ہے۔"

اس کے بعد سائنسی آلات ایجاد کرنے والے نونہالوں میں سے حسبِ ذیل نونہالوں کو انعام میں ایک ایک کتاب "مسلمان موجد اور سائنس داں" (جناب علی ناصر زیدی) دی گئی:۔

۱۔ صائمہ بشیر، نیو ٹاؤن گرلز اسکول۔

۲۔ فوزیہ اکبر، ہیپی ہوم اسکول۔

۳۔ نزہ اسلم، ہیپی ہوم اسکول۔

۴۔ صدف ماریا، دہلی گورنمنٹ گرلز اسکول۔

۵۔ اعجاز الحق، ہیپی ہوم اسکول۔

طالبات اپنی ایجادات کے ساتھ

۶ ۔ حنیف اسماعیل، ناصرہ سیکنڈری اسکول۔

ان کے علاوہ چار نونہالوں کو خصوصی انعام کے طور پر کتاب "نورستان" دی گئی۔

۱ ۔ انجم رضوی، گورنمنٹ گرلز پائلٹ اسکول ۔

۲ ۔ حسنین عباس، ناصر سیکنڈری اسکول۔

۳ ۔ مسعود احمد، کمپری ہینسو اسکول۔

۴ ۔ بربرا یعقوب، جیکب لائنز اسکول نمبر ۱

انعام جناب حکیم محمد سعید صاحب نے تقسیم کیے۔ ان کے علاوہ نمائش میں اپنے ماڈل رکھنے والے تمام نونہالوں کو حکیم صاحب نے تعریفی سندیں عطا کیں۔

تمام حاضرین نے سائنسی نمائش بڑی دل چسپی سے دیکھی اور پوری توجہ سے تمام تقریریں سُنیں۔ اس کے بعد چائے اور کیک سے بچّوں اور بزرگوں کی تواضع کی گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قائدِ اعظم معمارِ قوم

ثروت جبیں، کراچی

میری پسندیدہ شخصیت قائدِ اعظم محمد علی جناح ہیں۔ آج سے تقریباً ۳۸ سال پیش تر ہم لوگ انگریزوں اور ہندوؤں کی غلامی میں جکڑے ہوتے تھے۔ غلامی کا طوق ہماری گردنوں میں تھا۔ قوم میں آزادی کی تڑپ موجود نہ تھی۔ ان میں جدوجہد کرنے کا حوصلہ پست ہو چکا تھا۔ قوموں کو ایسے حالات میں ایک بہتر رہنما اور ہمدرد کی ضرورت ہوتی ہے، جس سے کہ مسلمان محروم تھے۔ ان کی رہبری کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ایسے بدترین دور میں جب مسلمان قوم کی زندگی ایسے بدترین حالات سے دوچار تھی نورِ سحر کی ایک کرن پھوٹی، مسلمانوں کے لیے ان کے قائد کی صورت میں۔

دنیا میں وہی قومیں زندہ رہتی ہیں جو اپنے محسنوں کی قدر شناس ہوتی ہیں اور ان کے اصولوں، مقاصد اور کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کرتیں۔ ہم اگر اپنے شان دار ماضی کا جائزہ لیں تو ہم وہ خوش نصیب قوم ہیں جو اپنی روشن تاریخی روایات رکھتے ہیں۔ برصغیر کے مسلمانوں کی خوش نصیبی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انھیں نہایت ہی پُر آشوب دَور میں قائدِ اعظم جیسی شخصیت رہنمائی کے لیے مل گئی تھی۔ اس عظیم رہنما کی سرکردگی میں مسلمانوں کا قافلہ اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوا اور نہایت ہی کٹھن اور خار دار راستہ طے کر کے آخر اس قافلے نے اپنی منزلِ مقصود کو پالیا۔

قائدِ اعظمؒ نے مسلمانوں کی قیادت کا فریضہ اس وقت انجام دیا جب مسلمانوں کے لیے سیاسی میدان میں چاروں طرف مایوسی کا عمیق سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ قائدِ اعظمؒ نے جب اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو ملّتِ اسلامیہ کو غافل پایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا انقلابات کے ذریعہ سے آگے بڑھی ہے اور ہر انقلاب پہلے انسانی ذہن و ضمیر میں رونما ہوتا ہے۔ قائدِ اعظم نے ملّت کے دل و دماغ پر سیکڑوں برس سے طاری جمود کو اپنے عزمِ صمیم سے توڑا، اُن کے سینوں میں سوئے ہوئے جذبات کو اپنی تحریر و تقریر سے جھنجھوڑا۔ وہ مایوسی کے گھٹا ٹوپ

اندھیرے میں روشنی کی کرن بن کر چمکے جس کی روشنی میں مسلمانوں نے اپنے لیے صحیح راہ متعین کی۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح ہماری قومی زندگی کے مہر و ماہ ہیں۔ ہماری بزم کے گوہر شب چراغ ہیں۔ آپ نے علّامہ اقبال کے تصورِ پاکستان کو عملی شکل دی اور تحریکِ پاکستان کے ذریعہ سے ایک درخت کا بیج بویا۔ اسے اپنا خونِ جگر پلا کر سینچا اور آخر ایک تناور درخت بنایا۔ اس درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں آج ہم آزادی کا سانس لے رہے ہیں۔ بابائے قوم نے اپنے آہنی عزم اور ناقابلِ شکست ارادوں سے آزاد مسلم مملکت کا قیام قابلِ عمل بنایا۔ وہ بلاشبہ بیسویں صدی میں برصغیر کے ہی نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام کے عظیم رہنما تھے۔ وہ نہایت ہی جانباز، جری اور ہوش مند لیڈر تھے۔ ان کے افکار و خیالات ہمارا قیمتی سرمایہ ہیں۔ قائدِ اعظمؒ نے مسلمانوں کی گردن سے مغرب پسندی کا پھندا اُتار پھینکا۔ آپ نے برصغیر کے عوام کو مغربی سامراج کے نوآبادیاتی نظام کے چنگل سے نجات دِلا کر آزادی کی نعمت سے نوازا۔ قائدِ اعظم کی شخصیت کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا صاف اور واضح ذہن اور مقصد کی لگن تھی۔ قائدِ اعظم نے ہمیشہ وقت کی سختی سے پابندی کی۔ وہ کبھی تاخیر نہیں کرتے تھے۔ کسی مسئلے سے نمٹنے کے لیے خواہ وہ ان کی نجی زندگی سے متعلق ہو یا وسیع تر قومی مسئلہ ہو وہ سلیقہ، اصول اور قاعدے کے پابند تھے۔ وہ ہر مسئلے سے نمٹنے یا فیصلہ کرنے میں مناسب وقت صَرف کرتے تھے۔ جلد بازی سے کبھی کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے اور جب کوئی فیصلہ کر لیتے تو اس میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں تھی۔

قائدِ اعظمؒ طلبہ کے لیے بڑی شفقت اور گرم جوشی کے جذبات رکھتے تھے۔ بے شمار طلبہ اپنے سرپرستوں کے ساتھ ان کی خدمت میں نصیحت اور رہنمائی حاصل کرنے کی غرض سے آتے تھے۔ قائدِ اعظم کا مشورہ طلبہ کو یہی ہوتا تھا کہ آپ کوئی پیشہ اختیار کریں، ڈاکٹری، انجینئرنگ، ٹیکنالوجی، سائنس، صحافت، آپ کام کریں، کام اور مسلسل کام۔ جدوجہد کریں اور خدا پر بھروسا رکھیں۔ وہ قادرِ مطلق اور کارساز ہے۔ یقیناً وہ آپ کے کام بنائے گا۔ "یقینِ محکم رکھیے کام یابی آپ کے قدم چومے گی۔" اُن کا یہ اصول ہم سب کے لیے خواہ بچّے اور جوان ہوں یا بوڑھے، مشعلِ راہ ہے۔

مُسکراتے رہو

★ ایک مداری تماشا دکھلا رہا تھا۔ اس نے ہجوم سے ایک لڑکے کو بُلایا اور پوچھا "لڑکے! بتاؤ تم میرے رشتے دار تو نہیں ہو یا تم نے مجھے کہیں دیکھا تو نہیں؟" لڑکے نے معصومیت سے جواب دیا، "نہیں ابّا جان!"

مرسلہ: انیلا خان، لاہور

★ پارٹی سے واپس آکر ایک دولت مند خاتون نے اپنی نئی ملازمہ سے پوچھا، میں تم سے ریفریجریٹر صاف کرنے کو کہہ گئی تھی صاف کر دیا۔

ملازمہ: جی ہاں بیگم صاحبہ صاف کر دیا، خاص طور پر کھیر بڑی مزے دار تھی۔ مرسلہ: رفیع اللہ، کراچی

★ ایک شکاری نے دوسرے شکاری سے کہا، میں نے مصر میں خوں خوار چیتے مارے ہیں۔ دوسرے نے ٹوکا، مگر مصر میں تو چیتے نہیں ہوتے۔

پہلے نے فوراً جواب دیا، ہوں گے کہاں سے میں نے سب ختم کر دیے۔

مرسلہ: محمد امیر صدیقی، کراچی

★ ایک صاحب اپنے ایک دوست کے ہاں مہمان گئے۔ میزبان کے کتّے نے انھیں دیکھ کر بھونکنا شروع کر دیا۔ میزبان مسکرا کر بولے، "اس کے بھونکنے کی پروا نہ کیجیے۔ آپ نے وہ مثل نہیں سُنی کہ "بھونکنے والے کتّے کاٹتے نہیں"۔"

مہمان بولا، "میں نے تو سُنی ہے، ممکن ہے آپ کے کتّے نے نہ سُنی ہو"۔ مرسلہ: سید وسیم اختر، کراچی

★ دو پاگل آموں کے باغ میں سے گزر رہے تھے کہ اچانک انھیں خیال آیا کاش وہ آم ہوتے۔ یہ سوچتے ہی وہ درخت پر چڑھ کر اُلٹے لٹک گئے۔ کچھ دیر کے بعد ایک پاگل زمین پر گر گیا تو لٹکا ہوا پاگل بولا، "بس تھک گئے"۔

دوسرا پاگل: "نہیں میں پک گیا ہوں"۔

مرسلہ: جاوید بیگ، کراچی

★ ایک پڑوسی نے دوسرے سے کہا، "ارے کیا ہو گیا اتنے لال پیلے کیوں ہو رہے ہو؟"

دوسرا: ننھے نے آج جوتا پہنا۔ میں نے اس سے کہا کہ ایک کے بجائے دو سیڑھیاں طے کرکے اوپر جائے تاکہ جوتے کا تلا کم گھسے، لیکن وہ کم بخت دو کے بجائے تین سیڑھیاں چڑھنے لگا نتیجہ یہ ہوا کہ پتلون پھٹ گئی۔

مرسلہ: محمد حسن عامر، گوادر

★ دو شہری ایک سڑک پر آپس میں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ اچانک ایک دیہاتی ان کے درمیان چلنے لگا۔ ان میں سے ایک شہری نے ازراہِ مذاق دیہاتی سے پوچھا، "کیوں بھئی تم احمق ہو یا بے وقوف؟" دیہاتی نے بڑی معصومیت سے جواب دیا، دونوں کے بیچوں بیچ ہوں۔

★ میزبان عورت: یہ رس گلّے اور لیجیے نا!

مہمان عورت: جی بس، میں پہلے ہی تین کھا چکی ہوں۔

میزبان عورت: خیر! کھائے تو آپ نے بارہ ہیں، لیکن یہاں کون گن رہا ہے۔

مرسلہ: محمد عمران صدیقی، اسلام آباد

★ ایک جگہ بورڈ لگا تھا کہ فٹ بال کے برابر انڈا دیکھیے۔ بورڈ کے نیچے ایک آدمی ٹکٹ فروخت کر رہا تھا۔ جب سو کے قریب ٹکٹ فروخت ہو گئے اور آدمی جمع ہو گئے تو وہ آدمی ان سب کو ایک کمرے میں لے گیا جہاں ایک میز پر کسی گول سی چیز پر کپڑا پڑا تھا۔ لوگ بڑی دل چسپی سے دیکھ رہے تھے۔ جب اس آدمی نے کپڑا ہٹایا تو سب ہکا بکا رہ گئے۔ میز پر ایک فٹ بال رکھا تھا اور اس کے برابر ایک انڈا رکھا تھا۔

مرسلہ: مجیب ظفر انوار، کراچی

★ سیاح: کیوں جناب، یہ کھوپڑی کس کی ہے؟

رہنما: یہ کھوپڑی دراصل سکندرِ اعظم کی ہے۔

سیاح: اور اس کے قریب رکھی ہوئی وہ دوسری چھوٹی کھوپڑی کس کی ہے؟

رہنما: وہ بھی جناب سکندرِ اعظم ہی کی ہے، مگر یہ اُس وقت کی ہے جب وہ چھوٹا سا بچّہ تھا۔

مرسلہ: محمد یعقوب، کراچی

★ باپ: بیٹے، تمھاری امّی خواہ مخواہ پریشان رہتی ہیں حالانکہ جب میں آتا ہوں تو تمھیں پڑھتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ اچھا بتاؤ! تم کب سے پڑھ رہے ہو۔

بیٹا: جب سے آپ کی کار کی آواز سُنی ہے۔

مرسلہ: ایم یونس رضا، پنڈ دادن خان

★ استاد: (شاگرد سے) آنے والے کل کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں؟

شاگرد: جناب ٹومارو۔

استاد: اور آنے والے پرسوں کو۔

شاگرد: تھری مارو۔

مرسلہ: مسعود الثقلین، سعود آباد

★ بیٹا: (ماں سے) دوزخ میں اسکول ہوتے ہیں؟

ماں: وہاں اسکول کا کیا کام؟

بیٹا: (معصومیت سے) پھر لوگ وہاں جاتے سے کیوں ڈرتے ہیں؟

مرسلہ: امداد حسین بلوچ، شہداد کوٹ

★ ایک لڑکا امتحان میں مسلسل اگلے لڑکے کی کاپی سے نقل کر رہا تھا۔ ممتحن نے طنز یہ کہا، "اگر آپ کہیں تو آپ کو ان کے ساتھ ہی بٹھا دوں؟"

لڑکے نے جواب دیا، "شکریہ، مجھے یہیں سے صاف نظر آ رہا ہے۔"

مرسلہ: محمد آصف انصاری، کراچی

★ ایک شخص: (اپنے نئے پڑوسی سے) "آج کل کے لڑکے بہت خراب ہو گئے ہیں۔ آپ کا لڑکا کیسا ہے؟"

دوسرا شخص: "بہت اچھا ہے۔"

پہلا شخص: "سگرٹ تو نہیں پیتا؟"

دوسرا شخص: "جی بالکل نہیں۔"

پہلا شخص: رات کو دیر سے گھر آتا ہو گا۔"

دوسرا شخص: "وہ تو گھر سے نکلتا ہی نہیں۔"

پہلا شخص: "تو پھر گھر میں کرکٹ کھیل کر کھڑکیوں کے شیشے توڑتا ہو گا؟"

دوسرا شخص: "اُس نے تو کبھی بلّے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"

پہلا شخص: "تو پھر آپ کا لڑکا بہت اچھا ہے۔ کیا عمر ہے برخوردار کی؟"

دوسرا شخص: "اس مہینے کی اکیس تاریخ کو پورے چار ماہ کا ہو جائے گا۔"

مرسلہ: راحت صلاح الدین، کراچی

★ ایک بہت زیادہ دُبلے پتلے پروفیسر صاحب کسی کالج میں نئے نئے آئے۔ انھوں نے اپنا پہلا پریڈ لیا اور بلیک بورڈ پہ ایک مضمون لکھوانے لگے۔ کچھ سمجھاتے ہوتے وہ کھڑکی کے پاس آکر کھڑے ہو گئے کہ لڑکوں میں سے ایک آواز آئی، "پروفیسر صاحب، ذرا بچ کر کہیں آپ ہوا سے اُڑ نہ جائیں۔"

یہ سُن کر دوسرے لڑکے نے کہا، "بھائی، نہیں اُڑیں گے انھوں نے چاک پکڑ رکھا ہے۔"

مرسلہ: سید عزادار جعفری، نواب شاہ

ارشد: (امجد سے) تمھارا سنِ پیدائش کیا ہے؟

امجد: ۱۹۶۵ ق م۔

ارشد: یہ ق م سے کیا مراد ہے؟

امجد: قبلِ ماجد، کیوں کہ میں اپنے بھائی ماجد سے ایک سال پہلے پیدا ہوا تھا۔

مرسلہ: روبینہ کوثر، کراچی

★ استاد: (شاگرد سے) بتاؤ جب یہ بڑے بڑے لیڈر اور بادشاہ وغیرہ مرتے نہیں تو یہ سب کہاں پہ جاتے ہیں؟

شاگرد نے جواب دیا، "جناب، یہ سب تاریخ کی کتاب میں چلے جاتے ہیں۔"

مرسلہ: سید محمد احسن، کراچی

★ ایک شخص کا گزر قبرستان سے ہوا تو اچانک اس کی نظر ایک کتبہ پر پڑی، جس پر لکھا تھا، "ایمان دار وکیل!" حیرت ہے ایک ہی قبر میں دو آدمی کس طرح دفن کیے گئے۔

مرسلہ: جمیل احمد اعوان، ٹنڈو محمد خان

انعامی کہانی کے نتائج

خاص نمبر میں پاکستانی کہانیوں کے انعامی مقابلے کا اعلان کیا گیا تھا، نونہالوں نے ہماری توقع سے بڑھ کر مقابلے میں حصّہ لیا اور کہانیاں بھیجیں، جن کے پڑھنے میں منصفین کو کافی وقت صرف کرنا پڑا اور ایک منصف کا اضافہ کیا گیا منصفین کے نام یہ ہیں :

(۱) محترمہ ہاجرہ مسرور (۲) جناب سیّد النور (۳) جناب قیوم راہی (۴) جناب شہزاد منظر (۵) جناب مسعود احمد برکاتی ۔ ناظم مجلس

منصفین نے بہت سوچ سمجھ کر اور باہمی مشورے کے بعد جن نونہالوں کی کہانیوں کو متفقہ طور پر انعام کا مستحق قرار دیا ہے، اُن کے نام یہ ہیں :-

(۱) پہلا انعام : ایک ہزار رپے ، نجم السحر، ٹنڈو محمد خاں، کہانی : دور دُنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے

(۲) دوسرا انعام ، پانچ سو رپے ، رؤف احمد خاں، بہاولپور، کہانی : نئی روشنی

(۳) تیسرا انعام ، تین سو رپے ، سیّد سلیم اقبال احمد شمسی، کراچی، کہانی : آزادی کی قیمت

ان کے علاوہ دس اچھی کہانیوں پر بیس بیس رپے کی کتابیں دینے کا اعلان کیا گیا تھا۔ منصفین کی سفارش کے مطابق ان کی تعداد دس سے بڑھا کر پندرہ کردی گئی ہے تاکہ زیادہ نونہالوں کی ہمت افزائی ہو سکے۔ ان پندرہ نونہالوں کے نام یہ ہیں ۔ (۱) عامر وسیم، سیالکوٹ (۲) سیّد شاہ عابد حسین، کراچی (۳) مصطفٰے چاند، کراچی (۴) فاروق النور، کراچی (۵) مشہود حق، ولی محمد گوٹھ (۶) نازیہ فیض بلوچ، لطیف آباد (۷) سعدیہ سیما، منوڑا (۸) صبیح الدین خاں، حیدر آباد (۹) محمد آصف ذکریا، کراچی (۱۰) حلیمہ کوثر، کراچی (۱۱) سیّدہ شہرہ وارث، راولپنڈی (۱۲) طارق محمود ہاشمی حطّار، فتح جنگ (۱۳) بزم آرا محمود علی، شہداد پور (۱۴) حنا فاروق، کراچی (۱۵) ایلزا جونیجو، لاڑکانہ

ادارۂ ہمدرد نونہال ان تمام نونہالوں کو مبارک باد دیتا ہے۔ وہ جلد سے جلد اپنے مکمل پتے ایک بار اور لکھ دیں تاکہ اُن کو چیک اور کتابیں بھیج دی جائیں۔ منصفین نے تمام کہانیاں پڑھ کر محسوس کیا کہ خاصے نونہالوں میں کہانی لکھنے کی صلاحیت موجود ہے اگر وہ لکھنے کی مشق محنت سے کریں تو اچھی کہانی لکھ سکتے ہیں اور اس فن میں ترقی کر کے نام پیدا کر سکتے ہیں۔ کہانی لکھنا مضمون لکھنے سے الگ فن ہے اور یہ فن مشہور اور بڑے لکھنے والوں کی کہانیاں اور افسانے پڑھنے سے آتا ہے۔

جن نونہالوں نے انعام نہیں پایا، اُن کو بددل نہیں ہونا چاہیے، کوشش کا نتیجہ ضرور نکلتا ہے۔ انعامی کہانیوں کے علاوہ اچھی کہانیاں لکھنے والوں کے نام بھی ہم آیندہ قسط وار شائع کریں گے۔

گولو کا کارنامہ

مناظر صدیقی

"امّی! ہم مبارک پور کب چلیں گے؟" زُبّی نے اپنی امّی سے پوچھا۔

زُبّی اور گولُو دونوں بھائی تھے۔ نام تو دونوں کے کچھ اور تھے، لیکن پیار میں لوگ اُنھیں زُبّی اور گولو کہتے تھے۔ زُبّی بڑا تھا۔ ابھی پانچویں جماعت ہی میں پہنچا تھا۔ گولو چھوٹا تھا۔ وہ چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا۔ چوں کہ وہ صحّت مند، گول مٹول سا بچّہ تھا اس لیے لوگ بچپن ہی سے اُسے پیار میں گُولو کہنے لگے تھے۔ ان دونوں کو جب یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ اپنی پھوپھی کے پاس مبارک پور جانے والے ہیں اُسی وقت سے ان کی خوشی کا ٹھکانا نہیں رہا تھا۔ زبی اور گولو کی امّی اور ابّو ہر سال مبارک پور جاتے تھے۔ وہاں ننّھی سامی بھی تھی۔ اس کا

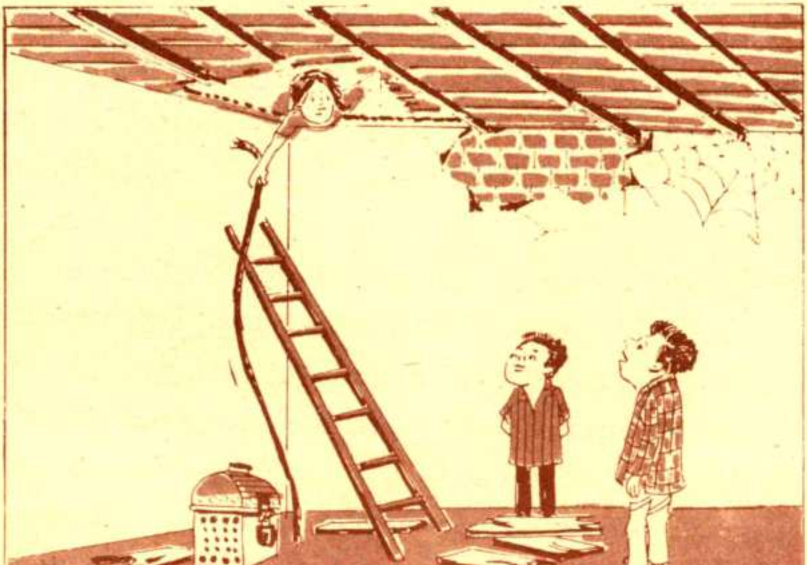

اصلی نام تو صائمہ تھا، لیکن لاڈ میں بگڑ کر سامی رہ گیا تھا۔ زبّی اور گولو کی خوشی کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ سامی باجی کے ساتھ دن بھر مبارک پور کے کھیتوں میں کھیلیں گے۔ ان کی سامی باجی ان سے بہت زیادہ بڑی نہیں تھیں۔ بس ایک دو سال کا فرق تھا۔ زبی کے سوال پر امّی نے بتایا کہ ابّو نے دفتر سے چھٹّی کے لیے درخواست دے دی ہے۔ بس چھٹی ملتے ہی چلے جائیں گے۔ ساتھ ہی امّی نے یہ بھی سمجھایا کہ مبارک پور پہنچ کر سامی باجی کو ستانا مت۔

زبی اور گولُو کو اس بات کا انتظار تھا کہ کب ابّو کی درخواست منظور ہوتی ہے اور کب وہ مبارک پور جاتے ہیں۔ انھیں ریل کے سفر کی بڑی خوشی تھی۔ ساتھ ہی گولو نے تو مبارک پور جا کر کھیل کود اور شرارتوں کے منصوبے بھی بنانے شروع کر دیے تھے۔ اس نے زبی سے کہا کہ وہ مبارک پور میں سامی باجی کی چُٹیا پکڑ کر گھوڑا گھوڑا کھیلے گا۔ لیکن زبی نے فوراً ہی اُسے آنکھیں دکھائیں، پھر پیار سے سمجھایا کہ ابھی تو امّی نے کہا ہے کہ سامی باجی کو تنگ نہ کرنا اور تم نے سب سے پہلے انھیں تنگ کرنے کی باتیں سوچنا شروع کر دیں۔

"تو پھر ہم وہاں جا کر کیا کریں گے؟" گولو نے بھولپن سے پوچھا۔

"ارے بھئی وہاں بہت سے کھیل کھیلے جا سکتے ہیں۔ وہاں کھیت ہیں، باغ ہیں، نہریں ہیں۔ ہم وہاں گھوم پھر کر تفریح کر سکتے ہیں۔ باجی سے آنکھ مچولی کھیل سکتے ہیں۔" زبی نے کہا۔

"آنکھ مچولی..... آنکھ مچولی۔" گولو نے تالیاں بجاتے ہوئے کہا۔ "یہ کھیل مجھے بہت پسند ہے۔"

چند دن بعد وہ لوگ مبارک پور کے لیے روانہ ہو گئے، لیکن اس بار گولُو اور زُبّی کو ریل کے سفر میں مزہ نہیں آیا، کیوں کہ اس بار ابّو نے ایسی گاڑی کا انتخاب کیا تھا کہ انھیں رات میں سفر کرنا پڑا۔ گولو اور زبی دونوں ہی سو گئے تھے۔ صبح آنکھ کُھلی تو وہ مبارک پور پہنچ چکے تھے۔ گاڑی سے اُتر کر جب وہ پھوپھی کے گھر پہنچے تو پھوپھی کے علاوہ سامی بھی دونوں بھائیوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ پھر سب نے نہا دھو کر کھانا کھایا۔ سفر کی تھکن تو تھی ہی اس لیے وہ دن تو بس آرام کرنے میں گزر گیا۔ دوسرے دن سے زبی، گولو اور سامی کھیتوں اور باغوں میں نکل جاتے اور مختلف کھیلوں میں دن گزار دیتے۔ اسی طرح تین چار دن گزر گئے۔ ایک دن گولو کو خیال آیا کہ یہاں آنے سے پہلے انھوں نے آنکھ مچولی کھیلنے کا پروگرام بنایا تھا،

لیکن اب تک ان کا یہ پسندیدہ کھیل نہیں کھیلا گیا۔ چناں چہ اس نے زبی کو یاد دلایا کہ اپنے پروگرام کے مطابق آج آنکھ مچولی کھیلنی چاہیے۔

گولو کا ارادہ تھا کہ سامی کو چور بنایا جائے اور دونوں بھائی ایسی جگہ چھپ جائیں جہاں سے انھیں تلاش کرنا مشکل ہو۔ اس کے لیے ایک جگہ اس نے پہلے ہی دیکھ لی تھی۔ وہ کھیت کے پار ایک بہت پرانا مکان تھا، جس کے چاروں طرف جنگلی درخت اور جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ مبارک پور میں مشہور تھا کہ یہ مکان سیکڑوں برس پہلے کسی بادشاہ کا محل تھا۔ اب تو محل باقی نہیں رہا تھا۔ بس ایک کھنڈر رہ گیا تھا۔ اب وہاں کوئی نہیں جاتا تھا۔ وہ لوگ جہاں کھیل رہے تھے وہاں سے مکان دُور تھا۔ گولو میاں کے شریر ذہن میں یہ بات سما گئی تھی کہ اسی مکان میں چُھپنا چاہیے تاکہ سامی باجی پریشان ہوں، لیکن وہ جو کہتے ہیں نا کہ دوسروں کے لیے گڑھا کھودنے والا پہلے خود ہی گڑھے میں گر پڑتا ہے۔ یہی گولو میاں کے ساتھ ہوا۔ سب سے پہلے انھی کو چور بننا پڑا۔

اب سامی اور زُبیؔ چھپے ہوئے تھے اور گولو انھیں تلاش کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر تو وہ انھیں تلاش کرتے رہے پھر ان کے دماغ میں ایک ترکیب آگئی۔ اچانک انھی زور سے چیخے جیسے انھوں نے کوئی خوف ناک چیز دیکھ لی ہو۔ یہ چیخ سُن کر سامی اور زبی ان کی طرف دوڑ پڑے۔ گولو میاں اُس وقت تک منھ بنائے کھڑے رہے جب تک وہ دونوں قریب نہ پہنچ گئے اتفاق سے سامی پیچھے رہ گئی تھی اور زبی آگے تھا۔ گولو میاں نے موقع ملتے ہی زبی کو پکڑ لیا اور کِھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"بھئی، یہ تو بے ایمانی ہے۔" زبی نے احتجاج کیا۔

"نہیں، کوئی بے ایمانی نہیں ہے۔ یہ تو ہماری ترکیب ہے۔" گولو بھی اکڑ گئے۔ وہ تو سامی نے بیچ بچاؤ کر دیا، ورنہ دونوں میں لڑائی ہو جاتی۔

اب زبی چور بنا تھا۔ سامی اور گولو چھپے ہوئے تھے۔ زبی دونوں کو تلاش ہی کر رہا تھا کہ گولو کے ذہن میں ایک شرارت آگئی۔ اُس نے جیسے ہی یہ دیکھا کہ زبی خود اُس سے دُور اور سامی کے قریب ہے تو انھوں نے چیخ کر کہا "سامی باجی سانپ۔"

"کہاں ہے؟ کہاں ہے؟" کہتی ہوئی سامی گھبرا کر اپنے چھپنے کی جگہ سے باہر آگئی۔ زبی نے

اسے پکڑ لیا اور گولو میاں ایک بار پھر کھلکھلا کر ہنس دیے۔ سامی چوں کہ سب میں بڑی تھی اس لیے اس نے ایک بار پھر گولو کو معاف کر دیا۔ اب سامی کو چور بننا تھا۔ اس نے جیسے ہی آنکھیں بند کیں ویسے ہی گولو نے زبی کا ہاتھ پکڑا اور بھاگ کر کھیتوں میں گھس گیا۔ جب وہ گیہوں کے پودوں میں اچھی طرح گھس گئے تو گولو نے زبی کو بتایا کہ وہ کہاں چھپنا چاہتا ہے۔ پہلے تو زبی نے منع کیا کہ وہ اتنی دُور پرانے کھنڈر مکان میں نہیں جائے گا، لیکن گولو مچل گیا۔ مجبوراً اسے بھی ساتھ دینا پڑا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ مکان کے قریب تھے۔ یہاں صرف ایک ہی کمرہ باقی رہ گیا تھا، باقی تو سارا مکان گر چکا تھا۔ اس کمرے تک پہنچنے کے لیے بھی انھیں جھاڑیوں میں سے راستہ بنانا پڑا۔

وہ دونوں جب کمرے کے اندر پہنچ گئے تو گولو کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ وہ مارے خوشی کے اُچھلنے کودنے لگا۔ وہ دونوں جس جگہ کھڑے تھے اس کے نیچے شاید کوئی تہ خانہ تھا اور تہ خانوں کی چھت تختوں کی تھی یعنی گولو میاں لکڑی کے تختوں پر اُچھل کُود کر رہے تھے، لیکن تختے اتنے پرانے ہو چکے تھے کہ وہ گولو جیسے چھوٹے بچّے کی اُچھل کود برداشت نہ کر سکے۔ تختے ٹوٹے تو گولو اور زبی دونوں ہی تہ خانے میں جا گرے۔ چوٹیں تو دونوں کے لگیں، لیکن خیریت یہ ہوئی کہ تہ خانے کا فرش زیادہ نیچے نہیں تھا، اس لیے وہ دونوں چوٹیں برداشت کر گئے۔ پھر جب ان کے حواس بحال ہوئے اور انھوں نے اُٹھنے کی کوشش کی تو زبی کا ہاتھ ٹین کے ایک صندوق پر پڑا۔ یہ صندوق بالکل پرانی طرز کا تھا یعنی اس کا ڈھکنا گول سا تھا۔ صندوق پر ہر طرف زنگ لگا ہوا تھا۔ اس میں ایک بڑا سا تالا پڑا تھا۔ اس پر بھی زنگ لگا ہوا تھا۔

"آہا مزہ آگیا۔" زبی نے خوش ہو کر کہا، "ہمیں خزانہ مل گیا۔ میں نے کہانیوں کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ بادشاہوں کے خزانے ایسے ہی صندوقوں میں ہوتے ہیں۔"

زبی کی باتیں گولو کی سمجھ میں نہیں آئیں۔ اُسے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ خزانہ کیا ہوتا ہے، اس لیے وہ حیرت سے زبی کو دیکھ رہا تھا۔ آخر اس نے پوچھ ہی لیا:

"خزانہ کیا ہوتا ہے؟ ہمارے کس کام آئے گا؟"

"خزانہ رُپیوں کو کہتے ہیں۔ اس صندوق میں رُپے پیسے ہوں گے۔ یہ ہم لے جا کر ابّو کو دیں گے تو ابّو بہت مال دار ہو جائیں گے۔" زبی نے سمجھایا تو رُپوں پیسوں کی بات گولو کی

سمجھ میں آگئی، کیوں کہ ان سے کھلونے خریدے جاسکتے تھے۔ اِدھر سامی دونوں کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس مکان تک پہنچ گئی تھی۔ وہ گاؤں میں رہتی تھی، اس لیے اُسے معلوم تھا کہ پیروں کے نشانات دیکھ کر کسی کو کس طرح تلاش کیا جاتا ہے۔ گیہوں کے کھیت میں اُسے دونوں کے پیروں کے نشان نظر آگئے تھے۔ دونوں کے بھاگنے سے کچھ پودے ٹوٹے بھی تھے انھی نشانات کے ذریعہ سے وہ اس مکان تک پہنچی تھی۔ اب وہ باہر سے دونوں کو آوازیں دے رہی تھی۔ دونوں نے یہ آوازیں سُن لی تھیں۔ گولو کی خواہش تو یہ تھی کہ جواب نہ دیا جائے اور سامی کو پریشان کیا جائے، لیکن زبّی نے چیخ کر جواب دے دیا:

"باجی ہم یہاں ہیں، لیکن گڑھے میں گر پڑے ہیں۔ آپ اس سوراخ کا خیال رکھیے۔" زبّی تہ خانے کو گڑھا ہی سمجھ رہا تھا، اس لیے سامی کو یہی بتادیا کہ وہ گڑھے میں گر پڑے ہیں۔

دونوں کی آواز سُن کر سامی بھی اس سوراخ تک پہنچ گئی تھی۔ اس نے جھانک کر دیکھا اور دونوں کو اطمینان دلایا کہ وہ گھبرائیں نہیں، وہ چھوٹی سیڑھی لے کر آتی ہے۔ زبی نے اُسے یہ بھی بتایا کہ انھیں خزانہ مل گیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد ہی سامی ایک سیڑھی اور ایک مضبوط رسّی لے کر پہنچ گئی۔ دونوں چیزیں اس نے تہ خانے میں لٹکادیں اور زبی کو سمجھایا کہ خزانے کا صندوق رسّی سے باندھ دے اور رسی کا دوسرا سرا ہاتھ میں پکڑ کر سیڑھی کے ذریعہ سے اوپر آجائے۔ زبی نے سامی کی ہدایت پر عمل کیا۔ جب وہ اوپر پہنچ گیا تو تینوں نے مل کر وہ صندوق بھی کھینچ لیا۔ صندوق زیادہ وزنی نہیں تھا۔ وہ تینوں کسی طرح کھینچ کھانچ کر اسے لے گئے۔ گھر پہنچ کر جب زبی کے ابّو نے صندوق کا تالا توڑ کر صندوق کھولا تو اس میں خزانہ تو نہیں البتہ بہت سے کاغذات بھرے ہوئے تھے۔ ان کاغذات کو پڑھ کر ابّو نے بتایا کہ یہ تو اس کھنڈر اور اس علاقے کی حکومت کے بارے میں ہیں۔ یہ تو ایک تاریخ ہے، جس سے ہمارے ملک کے پرانے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ تم لوگوں نے ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔

گولو کو شاید یہ بات اچھی نہیں لگی کہ سب لوگوں کی تعریف کی جائے، اس لیے اس نے کہا، "سب لوگوں کو وہاں تک لے کر تو میں گیا تھا۔" ابّو نے گولو کی پیٹھ ٹھونکی:

"ہاں بھئی ہاں! یہ تو تمھارا کارنامہ ہے۔ گولو کا کارنامہ۔"

اس شمارے کے مشکل الفاظ

نونہالوں کی خواہش پر ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا جا رہا ہے جس سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے۔
یہ اشارے اس طرح لکھے ہوں گے، ع: عربی، ف: فارسی، ھ: ہندی، س: سنسکرت، ت: ترکی، انگ: انگریزی، ا: اردو۔

نازیبا : (ف) نا زے با : جو زیب نہ دے، نامناسب۔

لوازم : (ع) لَ وَا زِ مْ : لازم کی جمع، ضروری چیزیں۔

معتقد : (ع) مُعْ تَ قِد : اعتقاد رکھنے والا، ماننے والا، عقیدت رکھنے والا۔

تنبولی : (ف) تَمْ بُو لِیْ : پان بیچنے والا۔

دہان : (ف) دَ ہَا نْ : منھ، سوراخ، زخم کا شگاف۔

انہماک : (ع) اِن ہِما کْ : کسی کام میں محو ہونا۔

گوشہ : (ف) گُوْ شَہْ : کونہ، تنہائی کا مقام، زاویہ۔

کپّی : (ھ) کُپ پی : چھوٹے منھ کا برتن جس میں تیل رکھتے ہیں۔

مجروح : (ع) مَجْ رُو ح : زخمی، گھائل۔

تاک میں رہنا : (الف) تاک میں رہنا : موقع تاکنا، گھات میں رہنا۔

مصمم : (ع) مُ صَم مَم : پکّا، مضبوط، محکم۔

گرد : (ف) گَر دْ : دھول، وہ خاک یا غبار جس کو ہوا اُڑائے۔

اشرف المخلوقات : (ع) اَشْرَ فُل مَخْ لُو قات : تمام مخلوق میں اعلا۔

داشتہ آید بکار : (ف) داش تہ آ یَد بہ کار : رکھی ہوئی چیز کام میں آجاتی ہے۔

بلند اقبال : (ف) بَلَنْ د اِق بال : خوش قسمت۔

برحق : (الف) بَر حَق : سچ، درست، راست۔

بیع نامہ : (الف) بَیع نا مہ : خرید و فروخت کی تحریر۔

شجرہ : (ع) شَجْ رَ ہْ : نسب نامہ۔

شے : (ف) شے : چیز۔

غماز : (ع) غَم ما زْ : اشارہ کرنے والا، چغلی کھانے والا۔

خواہاں : (ف) خا ہا ں : خواہش کرنے والا، چاہنے والا۔

مقبول : (ع) مَق بُوْ ل : پسندیدہ، ہر دل عزیز۔

سورما : (ھ) سُو رْ ما : بہادر

ساکھ : (ھ) سا کھ : بھرم، اعتبار، عزت

ملامت : (ع) مَلاَ مَتْ : برا بھلا کہنا، جھڑکنا، ڈانٹنا۔

دست نگر : (ف) دَسْت نِ گَر : محتاج، حاجت مند۔

جلا : (ع) جِ لا : چمک، روشنی، صفائی۔

دم بخود : (ف) دَمْ بَ خُو د : خاموش، ساکت، چپ۔

پیاؤ : (ھ) پیا ؤ : سبیل، پانی پینے کی جگہ۔

خورشید : (ف) خُر شِیْد : سورج، روشن۔

پشیمان : (ف) پَشِے ما ن : شرمندہ، افسوس کرنے والا۔

بیش قیمت : (ف) بے شْ قِیمَت : قیمتی، عمدہ، نفیس۔

دیرینہ : (ف) دے رِیْ نَہْ : پرانا، کہنہ

ملحقہ : (ع) مُلْ حِقَہ : ساتھ، شامل، ملا ہوا۔

معلوماتِ عامّہ

سلسلہ ۲۳۶

اس بار بھی سوالات کی تعداد بارہ ہے۔ دس یا زیادہ صحیح جوابات والوں کی تصویریں شائع کی جائیں گی۔ تصویریں نہ ہوئیں تو ان کے نام اور ۹ صحیح جوابات والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۱۵۔ دسمبر ۱۹۸۵ء تک بھیج دیجیے۔ جوابات کے کاغذ پر نیچے اپنے نام اور پتے کے علاوہ کچھ نہ لکھیے۔ تصویر کے نیچے بھی اپنا نام اور شہر یا گاؤں کا نام صاف صاف لکھیے۔ نام پتا جوابات کے پیچھے نہیں نیچے لکھیے۔ پتا لفافے پر بھی نہ لکھیے۔

۱۔ سورۂ توبہ کا ایک نام اور بھی ہے۔ کیا آپ کو وہ نام معلوم ہے؟

۲۔ بتائیے اردو کو پاکستان کی واحد قومی زبان پاکستان کے کس دستور میں پہلی بار قرار دیا گیا۔

۳۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے کس تاریخ کو حلف اٹھایا تھا؟

۴۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے حالات پر اردو میں سب سے پہلے کس نے کتاب لکھی تھی؟

۵۔ بتائیے پاکستان بننے کے بعد قائدِ اعظم نے سب سے پہلے کس تاریخ کو عید کا پیغام دیا تھا؟

۶۔ پاکستان بننے کے بعد صوبۂ مغربی پنجاب کے پہلے وزیرِ اعلا کون صاحب تھے؟

۷۔ "آنگن" ایک بہت مشہور ناول ہے، جس کو آدم جی انعام بھی ملا تھا، اس کے مصنف کا نام بتائیے۔

۸۔ سر سیّد کے والد کا نام تو آپ کو معلوم ہو گا؟

۹۔ مشہور ادیب نسیم حجازی کا اصل نام بتائیے؟

۱۰۔ پاکستان کے سابق وزیرِ خارجہ جناب عزیز احمد کا انتقال کس سنہ میں ہوا تھا؟

۱۱۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اڈولف ہٹلر کس سنہ میں پیدا ہوا تھا؟

۱۲۔ صحت کے اصولوں کے بارے میں ایک کتاب "جسم و جاں" کا حال ہی میں سندھ کے وزیرِ اعلا جناب سیّد غوث علی شاہ نے اجرا کیا ہے۔ اس کے مصنف کا نام بتائیے۔

معلومات عامّہ ۲۳۴ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ معلومات عامّہ کے جوابات اور تصویریں بھیجنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویر کیوں شائع نہیں کی گئی، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے، جن کی عمر اچھی ہو گئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاء اللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بڑا انعام۔

۱۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر آسمانی کتاب زبور نازل ہوئی تھی۔

۲۔ جناب اسکندر مرزا مرحوم پاکستان کے گورنر جنرل کے علاوہ صدر بھی رہے تھے۔

۳۔ یکم ستمبر ۱۹۸۳ء کو مشہور ادیب جناب ڈاکٹر جمیل جالبی نے کراچی یونی ورسٹی کے وائس چانسلری کا چارج سنبھالا تھا اور اسی تاریخ کو مشہور ادیب جناب سلیم احمد کا انتقال ہوا تھا۔

۴۔ تحریک پاکستان کے مشہور رہنما اور "بے تیغ سپاہی" کے مصنف نواب صدیق علی خان صاحب کا انتقال ۹ جنوری ۱۹۷۴ء کو ہوا تھا۔

۵۔ "اومیگا" گھڑیاں سوئٹزرلینڈ میں بنتی ہیں۔

۶۔ ۱۹۴۰ء میں اولمپک کھیل نہیں ہو سکے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں دوسری جنگِ عظیم ہو رہی تھی۔

۷۔ جی ہاں یہ صحیح ہے کہ ترکی "اقوام متحدہ" کا بانی رُکن ہے۔

۸۔ ان دو مشہور ادیبوں (۱) فراق گورکھپوری (۲) مشفق خواجہ کے اصل نام بالترتیب یہ ہیں (۱) رگھو پتی سہائے (۲) خواجہ عبدالحئی۔

۹۔ دنیا کا سب سے بڑا ایر پورٹ، کنیڈی ایر پورٹ امریکا میں ہے۔

۱۰۔ موجودہ دَور میں دنیا کی سب سے پہلی خاتون وزیرِ اعظم بندرا نائکے تھیں۔

۱۱۔ ۱۹۷۰ء میں "کراچی ایر پورٹ پر" پولینڈ کے نائب وزیرِ خارجہ ہلاک ہوئے تھے۔

۱۲۔ سال کا سب سے بڑا دن ۲۲ جون کو ہوتا ہے۔

بارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

سیما ہاشم
نوید ظفر انوار
محمد ہاشم منصوری
محمد انوار الحق سومرو
مجیب ظفر انوار
بشریٰ ظفر انوار
غزالہ حنیف
محمد مقصود
ندیم احمد صدیقی
راحیلہ شکیل
حور العین منیر صدیقی
نازش سلیم صدیقی
ریحان محمد خان

سانگھڑ

ایم جاوید غوری
لطیف حیدر خاص خیلی
شاکر علی منصوری
ریاض احمد کنول
غلام نبی کنول منصوری
ایم ندیم
شہزاد شاکر مراد
علاء الدین منصوری
غلام رسول منصوری
شہزادہ سفری بابو
ریاض الدین منصوری
حامد علی منصوری
پرنس ناصر علی جانی قریشی
محمد امین سیف الملوک
غلام رسول پارس

سنجھورو

سید نوید علی ہاشمی
محمد یامین مغل

بستی آڈھوجہ

شہزادہ ملک فقیر محمد سفری
ملک خدا بخش

نواب شاہ

انیلا رجب علی
شبیر حسن رجب علی
محسن رجب علی

حیدر آباد

نوید احمد خان
سہیل احمد خان
اقبال احمد خان

شہر کلوئی

شہزادہ میون چند دلشاد

خیرپور میرس

جاوید احمد راجپوت

بارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

چوہدری محمد اشرف، کراچی

شرمین حمیرا صدیقی، کراچی

جاوید خان، کراچی

عبدالشکیل، کراچی

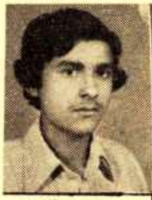
شاہد احمد عابدی، کراچی

جن زیب عباسی، کراچی

خورشید عالم، کراچی

پرنس ہاشم غوری، سانگھڑ

عبدالجبار بلوچ، کراچی

سلیم سلمیٰ، کراچی

رشید احمد، کراچی

عامر عبدالغفار، کراچی

فضل الرحمٰن، کراچی

فہیم احمد صدیقی، کراچی

عمران محمد خان، کراچی

امان اللہ بلوچ، کراچی

وسیم احمد صدیقی، کراچی

صابر جمیل، کراچی

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

سید ذیشان احمد

سید سعدیہ ارم

سید ظلِ ہما

صفوت سلطانہ

محمد شاہد اقبال صدیقی

جمشید ضیا

محمد اکرم قریشی

خالد مسعود

ندیم حیدر

ایم ندیم میمن، سانگھڑ

محمد خان خاص خیلی، سانگھڑ

عاجز عبد الرحمٰن جرند، سانگھڑ

بے دفا بابو شیوا رام مالی، سانگھڑ

سہیل اقبال میمن، سانگھڑ

خیر پور میرس

سہیل سومرو

سنجھورو

محمد طاہر آرائیں

شفاء الحسن انصاری، سکھر

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

عمران قدیر، کراچی

عبداللطیف جونیجو، کراچی

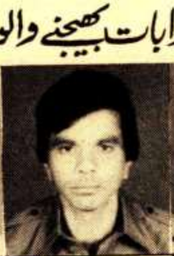
شہزاد الماس حیدر عابدی، کراچی

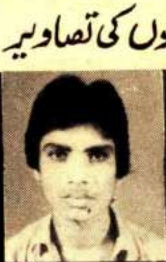
ناصر محمود، حیدرآباد

محمد ایوب اسمٰعیل، کراچی

عطیہ فیروز، کراچی

اویس مبارک آرائیں، سکھر

عبدالرزاق ندیم، کراچی

سید مبشر احمد قادری، کراچی

الطاف خان، کراچی

سید ارشد حسین، کراچی

غزالہ صدیقی، کراچی

احمد وسیم عابد، کراچی

محمد شاہد، کراچی

شجاع احمد قریشی، کراچی

ارشد عالم، کراچی

سہیل احمد قریشی، کراچی

اعجاز نیاز شیخ، سکھر

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

فضل سبحان
شگفتہ علیم انصاری
فہمیدہ اکرم قریشی
صاعقہ عشرت
علی حسن تنویر صدیقی
شہلا عشرت

صبا عشرت
اسماء علیم انصاری
احمد ولی محمد
ندا عروج انصاری
صبا عروج انصاری
محمد اسلام الدین انصاری
محمد اویس انصاری

مشتاق رحمت اللہ
ارم ہما
فہیم نبی خان
محمد فیصل اسمٰعیل
عزیز الرحمٰن
محمود اختر قریشی
امین الدین

انیس گل واسطی
مسرت امیر غوری
حسنہ امیر غوری
غزالہ قیوم
عالیہ امیر غوری

خیرپور میرس

ثریا سومرو

توقیر محمد صدیقی
الطاف اللہ شیخ
سید عقیل حیدر زیدی

فیصل آباد

شہزاد سعید
سجاد حبیب

حیدر آباد

ساجد سعید
سعدیہ زہرا

ٹنڈو جام

محمد ارشد قریشی
اسد عباس، ملتان

سانگھڑ

پیر نور النبی جان سرہندی

تحصیل ٹھل

شبیر احمد داؤد پوٹہ

حیدر آباد

امیر محمد

ٹنڈو جام

محمد ارشد آزاد

مقام نامعلوم

محمد عامر سعید
محمد عارف اقبال انصاری، کراچی

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

سید امجد حسین، کراچی | سید نگہت سیما، کراچی | تحریم بشیر، کراچی | محمد شاہد اقبال صدیقی، کراچی | سید محمد شرف الدین، کراچی

محمد رفیق پروانہ، کراچی | سید وقار الحسن، کراچی | سید شہزاد حسین، کراچی | ذیشان علی دانش، کراچی | ندیم احمد، جیکب آباد

ایم یونس نصیر، حیدر آباد | حفیظ اللہ بروہی، جیکب آباد | سید ندیم رضا زیدی، خیرپور میرس | حسن جواد سومرو، خیرپور میرس | محمد ریاض الدین، کراچی

توقیر محمد صدیقی، خیرپور میرس	قدیر محمد صدیقی، خیرپور میرس	شبیر احمد شیخ، سنجھورو	ظفر حسین صدیقی، کراچی	اشتقاق احمد بیگ، کراچی

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

	کامران حفیظ علوی	محمد اشعر حسن	اعجاز احسن
محمد طارق آفتاب وارثی	ریحانہ اسحاق	شہناز فاطمہ	محمد زاہد
سید عبدالناصر عقیل	سلمان حسنات	محمد اسحاق	محمد علی
ہاجرہ معین	ثمرین عثمانی	انصار عالم نذیر	یاسین خان
سید ندیم	سیدہ ناجیہ حقی	محمد یوسف	محمد عارف
مظہر علی جعفری	محمد محبوب الرحمٰن	نذر محمد	شہناز فاطمہ شہناز
راجا شہزاد علی	خواجہ متین احمد	جاوید علی نقوی	عظمیٰ سعید
محمد شاکر انصاری	ازہر محمود عالم عثمانی	سید محمد حسین عباس رضوی	شہناز فاطمہ نقوی
ظفر عالم	شہزاد احمد	ایم افضل خان	رئیس احمد قدیر
حبیب الرحمٰن	محمد سعید عباس	یوسف راجپوت	طلعت نوید
محمد رضوان معین	محمد افضال انصاری	سہیل جمیل	عالیہ خان
شاہدہ خاتون	سعدیہ ناز	محمد شفیع	عبدالواحد
صابر مسیح	محمد اشرف ایوب	محمد اجمل خان	سمینہ جان
خواجہ مدین احمد	محمد سہیل ایوب	نجمہ عبدالمجید	ارشد شہاب
سید ندیم یوسف	محمد ظفر ایوب	جاوید احسن	محمد رفیق سموں
معین الدین صوفی	محمد اظہر ایوب	سلیم احمد	طلعت جاوید
عمران مصطفیٰ	محمد ذیشان ایوب	اقبال احسن	علیم سعید خان

عمران احمد نعمانی
اظہر یار خاں
ایم ذاکر حسین
محمد رفیق

ٹنڈو جام

عارف حشمت
ناصر علی
جمیل احمد مغل
شہزاد علی
محمد ارشد آزاد

ملتان

مسعود سرور گوندل
سرفراز احمد

سانگھڑ

نور النساء رفیق
شگفتہ رفیق

کھلابٹ ٹاؤن شپ

بشیر احمد

بہاول نگر

سید اشعر منور

ٹنڈو والہ یار

محمد یوسف قائم خانی

فیصل آباد

محمد جاوید اقبال ناز

ٹنڈو آدم

راجا محمد یونس راجپوت
ارم بشیر عزیز، سرگودھا

بلنگور مکران

ناگمان خان ہمدم
ظفر اللہ شیخ، خیرپور میرس
رفیق احمد، راولپنڈی
ریحانہ سجاد انصاری، لاڑکانہ
تحریم بشیر عزیز، سرگودھا

اسلام آباد

طارق عزیز
طارق محمود، ہری پور

حضرت علیؓ نے فرمایا

○ اپنے دوست سے ذرا سنبھل کر دوستی رکھو۔ ممکن ہے وہ کسی دن تمھارا دشمن ہو جائے۔ اور دشمن سے دشمنی میں حد سے نہ بڑھو، کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی دن تمھارا دوست ہو جائے۔

○ جب بھی خدا سے دعا کرنی ہو تو اس کی ابتدا پیغمبرؐ پر درود سے کرو۔ پھر اپنی حاجت طلب کرو، کیوں کہ خدا اس سے کہیں زیادہ بزرگ ہے کہ اس سے دو درخواستیں کی جائیں اور وہ ایک کو پورا کرے اور دوسری کو روک دے۔

○ تحمل والا آدمی کام یابی سے محروم نہیں ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ وقت زیادہ لگ جائے۔

○ جسے اپنی آبرو عزیز ہے اسے ریا کاری چھوڑ دینی چاہیے۔

○ حکمت جہاں سے ملے لے لو، کیوں کہ دانائی منافق کے دل میں بے چین رہتی ہے، لیکن مومن کے دل میں پہنچ کر اپنے جیسے دوسروں میں جا ملتی ہے۔

مستقل پڑھنے والوں کے لیے ایک تحفہ

ہمدرد نونہال کے ہزاروں پڑھنے والے ایسے ہیں جو برسوں سے پابندی کے ساتھ رسالہ خرید کر پڑھتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم اُن کے لیے ہر ماہ عمدہ عمدہ کہانیوں، معلومات اور تفریحات کا گُل دستہ پیش کرتے ہیں، لیکن اب فیصلہ کیا گیا ہے ہمارے ایسے مُستقل دوستوں کو کوئی تحفہ بھی پیش کیا جائے۔

جنوری ۱۹۸۵ء سے رسالے میں ایک کوپن لگایا جارہا ہے۔ یہ تعلیمی تحفے کا کوپن ہے اور ہر مہینے لگایا جائے گا۔ اس کوپن کی صفائی سے خانہ پُری کیجیے اور کاٹ کر اپنے پاس محفوظ رکھ لیجیے۔ جب بارہ کوپن ہو جائیں تو آپ احتیاط سے ہمیں بھیج دیجیے۔ ہم آپ کو مندرجہ ذیل مفید و دل چسپ کتابوں میں سے ایک کتاب جو آپ کو پسند ہو گی بھیج دیں گے۔

(۱) جاگو جگاؤ، از حکیم محمد سعید (۲) چالاک خرگوش کے کارنامے، از معراج (۳) قصہ اژدہا پکڑنے کا، از محمود علی اسد و دیگر (۴) چند مشہور طبیب اور سائنس دان، از حکیم محمد سعید و دیگر (۵) ابوعلی کا جوتا، از عبدالمجید نظامی و دیگر (۶) صحت کی الف بے، از مسعود احمد برکاتی (۷) ننّھا سیّاح، از محمد زکریا مائل (۸) غذائیں دوائیں، از ادارہ ہمدرد نونہال (۹) سنہرے اصول، از حکیم محمد سعید (۱۰) ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی، از علی اسد (۱۱) کھلونا نگر، از غازی کمال رشدی (۱۲) ننّھا سراغ رساں، از مسعود احمد برکاتی و دیگر (۱۳) پُراسرار غار، از میرزا ادیب و دیگر

ان میں سے جو کتاب بھی آپ کو پسند ہو اُس کا نام تمام کوپنوں میں لکھ دیجیے۔ بارہ کوپنوں میں سے ہر کوپن کی خانہ پُری کیجیے تاکہ کوئی دوسرا اُن سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ اس کے علاوہ یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ بارہ کوپن جمع کر کے بھیجنے والے اگر ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کی شائع کردہ کتابیں خریدنا چاہیں تو اُن سے ۲۵ فی صد قیمت کم لی جائے۔

دسمبر ۱۹۸۵ء

کوپن علمی تحفہ

میں ہمدرد نونہال مُستقل پڑھنے اور خریدنے والا/والی ہوں اور بارہ کوپن جمع کر کے بھیج رہا/رہی ہوں۔ مہربانی کر کے مجھے مندرجہ ذیل کتاب علمی تحفے کے طور پر بھیج دیجیے۔

نام کتاب: ____________________

نام: ________ عُمر: ____ تعلیم: ________

پتا: ____________________

یہ کوپن دسمبر تک چھپے گا، لیکن آپ کو جو کتاب منگوانی ہے اس کا نام ایک کارڈ پر لکھ کر ابھی بھیج دیجیے تاکہ ہم کتابیں تیار کرالیں۔

Adarts LA-1/81

نونہال ادیب

مہربانی

ملک مسرور احمد، نئی کراچی

مہربانی ایک ایسی صفت ہے جو ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ بس ذرا ابھارنے کی ضرورت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس صفت کو ہر کوئی استعمال نہیں کرتا۔ مہربانی کی صفت خدا اور رسولِ خدا کو بہت پسند ہے۔ مہربانی کی کئی قسمیں ہیں۔ مثال کے طور پر غریبوں سے مہربانی، مظلوموں سے مہربانی، بیماروں سے مہربانی وغیرہ وغیرہ۔

سچی مہربانی وہی ہوتی ہے جو بے غرض ہو۔ اگر مہربانی کے پیچھے کوئی مقصد کارفرما ہو تو مہربانی اپنے مفہوم کو کھو دیتی ہے اور ہم اُسے رشوت سے تعبیر دیتے ہیں۔ رشوت بہت بری چیز ہے اور ہمارے مذہب میں اس کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ غریبوں پر مہربانی کرنا، اُن کے دکھ درد بانٹنا، اُن میں بغیر تفریق کیے مل بیٹھنا اور ان کی مالی و جانی مدد کرنا مہربانی ہے۔

مہربانی کا سب سے اعلا اور پُر اخلاق نمونہ ہمارے نبی پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں ملتا ہے۔ آپؐ کی تمام زندگی مہربانیوں سے پُر تھی۔ آپؐ نہ صرف مسلمانوں پر مہربان تھے بلکہ ہر محتاج اور بندۂ خدا پر مہربان تھے۔ آپؐ بغیر رنگ و نسل اور مذہب کی تفریق کے لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے، کیوں کہ آپؐ کو صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا گیا تھا۔ آپؐ کی مہربانی کا یہ عالم تھا کہ اگر کفار آپؐ پر کوئی ظلم ڈھاتے اور آپؐ کو ایذا پہنچاتے تو آپؐ ہر ایک سے درگزر فرماتے اور اپنی ذات سے کسی کو ذرّہ برابر بھی تکلیف نہ پہنچاتے۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کے موقع پر اگر آپؐ چاہتے تو کفار کے مظالم کا منھ توڑ جواب دے سکتے تھے، لیکن آپؐ نے درگزر اور مہربانی سے کام لیا اور سب کو معاف کر دیا۔ سبحان اللہ کیا شان کریمی تھی۔

یہ آپؐ کی مہربانی اور اخلاق ہی کا معجزہ تھا کہ آپؐ کے جانی دشمن بھی آپؐ پر ایمان لاکر آپؐ کے جگری دوست بن گئے۔ اور اسی مبارک رفاقت کے نتیجے میں جلیل القدر صحابۂ کرامؓ کی صف میں شامل ہو گئے۔

بابائے ملت سے

(انور افسری)

مرسلہ: شیخ انیس الرحمٰن وہرہ، راولپنڈی

ہو مقبول نذرِ خلوص و محبت
کہ ہے پیش خدمت خراجِ عقیدت

بھٹکنے لگا کارواں جب ہمارا
تمھیں نے جلاتے چراغِ ہدایت

دلایا تمھی نے ہمیں ملک اپنا
تمھیں نے بچائی غلاموں کی عزت

ہمیشہ تمھیں یاد رکھے گی دنیا
دل و جاں سے کی قوم کی تم نے خدمت

تمھیں پیش کرتے ہیں بچے وطن کے
سلام اے دلِ قوم، بابائے ملّت

عظیم رہبر

سیما فرحت سیمی، کراچی

قائدِ اعظم محمد علی جناح اُفقِ سیاست پر صبح کے ستارے کی مانند اُبھرے اور جلد ہی آفتابِ کامل کی صورت میں سیاستِ ہند کے آسمان پر چھا گئے۔ ان کی قائدانہ صلاحیتوں کا اندازہ اسی وقت ہو گیا تھا جب قائدِ اعظمؒ نے نہرو رپورٹ کے جواب میں چودہ نکات پیش کیے تھے۔ ان کی صلاحیتوں کو خود دشمنوں نے تسلیم کیا۔ اگر سرسیدؒ کی فراست، محمد علی جوہر کی شعلہ فشانی و بے باکانہ قیادت، اقبال کی خودی اور حالی کے جذبۂ ملّی کو یکجا کیا جائے تو قائدِ اعظم کی تصویر اُبھرتی ہے۔ جب اتنی کامل قیادت موجود ہو تو کامیابی کیوں یقینی نہ ہو۔

راہِ حیات میں جذبۂ کامل ہو جس کے ساتھ
خود اس کو ڈھونڈ لیتی ہے منزل کبھی کبھی

یہی کچھ تاریخِ ہند میں ہوا کہ تاریخ ایک عظیم سفر کے بعد ایک ایسے موڑ پر پہنچی، جہاں مسلمانانِ ہند سر بسجود نظر آتے ہیں۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے اقبال پارک میں مسلم لیگ کے اجلاس میں ایک قرارداد پیش کی جاتی ہے جسے قراردادِ پاکستان کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ قرارداد اقبال کے خوابوں کی تعبیر، مسلمانانِ ہند کی منزل اور سرسید کے افکار کی تکمیل تھی۔ یوں مختلف قائدین جاں نثاروں، سرفروشانِ ملّت اور آزادی کے متوالوں کی رہنمائی میں مسلسل، طویل اور کٹھن جدوجہد کے بعد تاریخِ برصغیر ایک ایسے موڑ پر پہنچی، جہاں مسلمان اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھنے میں کامیاب ہو گئے۔

قومی شاعر اور قائد اعظم

مرسلہ: طاہرہ سلطانہ طور، شمن سلطان علی، کراچی

حفیظ جالندھری:

ہر مسلمان کے دل میں ہے اِک آگ موجزن
اس آگ کا دھواں ہے محمد علی جناح

رئیس امروہوی:

اس قوم نو کا قائد اعظم جناح تھا
اس روحِ انقلاب کا محرم جناح تھا

سیماب اکبر آبادی:

قائد اعظم ہیں زندہ اس یقیں سے کام لو
جو کہے مُردہ انھیں، اس کا گریباں تھام لو

شاعر لکھنوی:

تُو نے انعام دیا ہے ہمیں آزادی کا
ناز کرتے ہیں تجھے قائد اعظم کہہ کے

شور علیگ:

تُو ہی شمع کارواں ہے تُو ہی منزل کی فلاح
زندہ و پائندہ باد اے قائد اعظم جناح

راز یوسفی:

ملت کے ترجماں تھے محمد علی جناح
سالارِ کارواں تھے محمد علی جناح

اختر انصاری:

وطن کے رہبرِ محبوب قائد اعظم
ہے تیری یاد عجب چیز زندگی کے لیے

رفیق خاور:

بطلِ شجاعت قائد اعظم
حُسنِ تدبّر جس کا مُسلّم

قائد اعظم

مرسلہ: محمد ریاض انصاری، عارف آباد

دیکھو ہیں یہ قائد اعظم
شہرت ان کی عالم عالم
پاک وطن کے ہیں یہ بانی
یاد ہے ہم کو ان کی کہانی
بگڑی ہوئی ہر بات بنائی
قوم کی نیّا پار لگائی

(شاعر جناب محمد سرور)

ایک کتاب کی آپ بیتی

حفیظ اللہ عاطف بلوچ، تربت

میں ایک کتاب ہوں۔ میرا نام "اردو لازمی" ہے۔ میں جماعت نہم کے طلبہ کے لیے مقرر کی گئی ہوں۔ مجھ میں غزلوں، نظموں اور مضمون کے علاوہ دل چسپ کہانیاں وغیرہ درج ہیں۔ میری قیمت بھی مناسب ہے۔ میں اچھے کاغذ پر چھپی ہوں۔ یہ تو تھا میرا مختصر تعارف اور اب میری داستانِ حیات بھی سُن لیجیے۔

میں لاہور کے ایک پریس سے چھپ کر نکلی اور اردو بازار کے ایک تاجر کی دُکان پر جلوہ گر ہو گئی۔

اس وقت میرے ظاہری حُسن کا عالم نہ پوچھیے۔ سفید کاغذ، اچھی چھپائی، دل کش سرورق، میرے چہرے سے صفائی جھلکی پڑتی تھی۔ آخر ایک دن میں ایک طالبِ علم کے ہاتھوں میں جا پہنچی۔ یہ طالبِ علم ہائی اسکول تربت میں پڑھتا تھا۔ بہت ہی شائستہ اور خوش ذوق تھا۔ یہ مجھے گھر لے گیا۔ مجھ پر گرد پوش (کور) چڑھایا۔ بڑی خوش خطی کے ساتھ اپنا نام میرے ایک گوشے پر لکھا اور کتابوں کے پاس مجھے رکھ دیا۔ اس کا یہ معمول تھا کہ اسکول جاتا تو مجھے ساتھ لے جاتا۔ احتیاط سے کھولتا، پڑھتا واپس آتا ساتھ لے آتا۔ شام کو مطالعہ کرتا تو مجھ سے کام لیتا اور پھر سلیقے سے وہیں رکھ دیتا۔ میں دو سال اس کے ساتھ رہی۔ اس نے میری بڑی دیکھ بھال کی۔ کچھ عرصے بعد میری جلد بندی کرا کے میرے حُسنِ ظاہری کو محفوظ اور میری زندگی کو پائیدار بنا دیا۔ وہ کتنا نیک بچّہ تھا۔ اب بھی جب کبھی یاد آتا ہے تو اس کی کام یابی کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔

غرض وہ زمانہ بڑے دُکھ سے گزرا۔ اس بچّے نے امتحان دیا تو مجھے پانچ رُپے میں ایک نئے طالبِ علم کے ہاتھوں بیچ دیا۔ یہاں سے میری مصیبت کا آغاز ہوتا ہے۔ اس نے مجھے ایک جگہ جو زور سے جھٹکا مارا تو ابتدائی صفحہ پھٹ گیا۔ ایک دھجی کی دھجی اُڑ گئی۔ اُس نے اِس دھجی کو پھینک دیا۔ یہ پہلا زخم تھا جو مجھے سہنا پڑا۔

اس طالبِ علم کے ساتھ عجیب طرح کی زندگی گزری۔ اسکول جا رہا ہے اور میں گھر میں پڑی ہوں۔ آخر وہ فیل ہو گیا۔ تعلیم ترک کر دی اور مجھے دوسری کتابوں کے ساتھ ساتھ ایک اور طالبِ علم کے حوالے کر دیا۔

اس لڑکے کے ساتھ اچھی نبھتی رہی۔ یہ لڑکا مجھے اسکول، ضرور لے جاتا ہے، لیکن واپس آکر بے دلی سے اِدھر اُدھر ڈالتا تھا اور پھر میں چھوٹے بچّوں کا نشانۂ مشق بنتی رہی۔ اس طرح میرے انجر پنجر ڈھیلے پڑ گئے۔ کاغذ جگہ جگہ سے پھٹ گئے۔ جلد اُکھڑ گئی۔ سالانہ امتحان آیا تو یہ طالبِ علم مجھے ساتھ لے گیا۔ امتحان شروع ہوا تو جلدی سے مجھے باہر چھوڑ گیا۔ جب امتحان سے فارغ ہو گیا تو میں غائب تھی۔ ایک چور بچّہ اِدھر سے گزرا۔ اس نے کچھ کتابیں لاوارث انداز میں پڑی دیکھیں۔ چپکے سے اُٹھا کر چلتا بنا اور ایک پنساری کی دُکان پر ردّی کے طور پر بیچ دیا۔ اس صورتِ حال پر میری تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ایک وہ وقت جو پریس سے حسن و شباب کی تصویر بن کر نکلی تھی۔ ایک یہ وقت کہ ردّی کے طور پر ایک رُپیہ میں بکی۔ میں بے جان ہوں۔ انسان جو جان دار اور اشرف المخلوقات ہے اُسے بھی اپنے انجام کا احساس نہیں۔ اچانک ایک گاہک آدھی چھٹانک پسی ہوئی مرچیں لینے آیا ہے۔ دُکان دار کا ہاتھ میری طرف بڑھا ہے۔ پھول کی پہلی پتّی بکھر گئی۔ اب آہستہ آہستہ تمام پتیاں بکھر جائیں گی اور چمن اُجڑ

جائے گا۔ افسوس! یہ ہے میری داستانِ حیات۔

رشوت

مرسلہ: کاشف العماری، کراچی

جہاں میں خرابی کی یہ جڑ ہے رشوت
سراپا بُرائی کی جڑ ہے یہ رشوت
نکلتے ہیں گو آج کل کام اس سے
مگر لوگ ہوتے ہیں بدنام اس سے
غرض کب ہے راشی کو حسنِ بیاں سے
زمیں سے ہے اس کو نہ پیار آسماں سے
جھکاتا ہے افسر کے قدموں پہ سر بھی
ہے دوزخ مگر خوف سے اس کا گھر بھی
جو لیتے ہیں رشوت انھیں چین کب ہے
نہ دن اُن کا اچھا نہ پُر کیف شب ہے
جہاں میں خرابی کی جڑ ہے یہ رشوت
سراپا لڑائی کی جڑ ہے یہ رشوت

ہیروئن، ایک لعنت

نصرت محمود، کراچی

ہیروئن جیسا زہر ہمارے ملک میں نہایت ہی آسانی اور تیزی سے عام ہوتا جارہا ہے۔ سب کو یہ معلوم ہے کہ یہ لعنت اگر اسی طرح پھیلتی گئی تو ایک دن پوری قوم سو جائے گی۔ جگہ جگہ ہیروئن کھلے عام بکتی ہے۔ لوگ آتے اور اسی طرح کھلے عام خرید کرے جاتے ہیں۔ بعض علاقوں میں اگر اِدھر اُدھر نظر دوڑائیں تو معلوم ہو گا کہ لوگ گاڑیوں اور پیدل سوار کے پاس جا کر بولتے ہیں کہ سو رُپے کی پڑیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب تو لوگ اس بات کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ توجہ دینا بھی چھوڑ دی ہے۔ آخر اس بات پر توجہ کیوں نہیں دی جارہی ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ پتا نہیں پولیس اس پر کس طریقے سے روک تھام کر رہی ہے۔ دعوا تو ہر ایک بڑے جوش و خروش کے ساتھ کرتا ہے، لیکن اس پر عمل کرنا کسی کو نہیں آتا۔ جب پولیس والے خود ہیروئن خریدتے اور بیچتے ہوئے پکڑے جائیں گے تو کون ان پر اعتبار رکھے گا۔

ہمارے ملک میں اس قدر تیزی سے ہیروئن عام ہو رہی ہے کہ اس کو روکنا اب انتہائی ضروری ہو گیا ہے۔ اگر نوجوان نسل اس تباہی کا شکار ہو گئی ہے تو اس کا سارا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔ نوجوانوں کو تو اس ملک کے کام آنا ہے۔ اگر وہ ابھی سے سو جائیں گے تو آیندہ کیا کر سکیں گے۔ لوگوں نے اپنے مستقبل کے بارے میں ضرور سوچا ہو گا اور یقیناً ایک عزت کا مقام پانے کی خواہش کی ہو گی، لیکن اگر وہ ہیروئن کے عادی ہو گئے تو کیا ان کو عزت مل سکے گی؟ نہ صرف ان کا مستقبل تباہ ہو گا بلکہ عزت بھی خاک میں مل جائے گی۔ جو شخص ہیروئن کا عادی ہو گا وہ کبھی اپنے اس گندے جرم پر پردہ نہیں ڈال سکتا۔ اس کی شکل ہی بتا دیتی ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ ابھی سے اس نشے سے اپنے آپ

کو بچالیں۔

ہیروئن سے نجات پانے کے لیے سب سے پہلے سگرٹ کو ختم کرنا ضروری ہے۔ سگرٹ کے عادیوں کو کوئی نہ کوئی شخص دھوکے ہی سے ہیروئن پلا سکتا ہے۔ اس لیے جو شخص سگرٹ پیتا ہو اسے تو بہت محتاط رہنا چاہیے۔

پاکستان کے دوسرے شہروں کے بارے میں تو میری اتنی معلومات نہیں ہیں، لیکن کراچی کے علاقوں کے بارے میں تو ضرور جانتی ہوں۔ کراچی ایک صنعتی شہر ہے۔ کراچی پاکستان کا کتنا اہم شہر ہے وہ ان بے خبر نشے کے عادیوں کو خبر نہیں۔

پاکستان کے بچے، بڑے، بوڑھے، عورت، اور مرد سب کا فرض ہے کہ وہ اس لعنت کا مل کر مقابلہ کریں۔

مسیحا

محمد احسن، بھلوال

دانائی، مستقل مزاجی، ثابت قدمی، بہادری اور راست بازی جیسی خوبیاں رکھنے والی ہماری قوم کی وہ کون سی شخصیت ہے، جس کا نام لب پر آتے ہی ایک صدا بن جاتی ہے جس کے ذکر سے ہمارے دل کے غنچے کھل جاتے ہیں اور ہمارا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے؟

وہ ہماری قوم کے مسیحا "قائدِ اعظم محمد علی جناح" ہیں، جنھوں نے ہمیں غلامی سے نجات دلائی اور اقبال کے خواب کو حقیقت میں بدل دیا اور اپنے مقصد حصولِ پاکستان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی، پھر اس کی ہمت اور کاوش سے ہی مسلمانوں کا یہ سفینہ ۱۴۔ اگست ۱۹۴۷ء کو دشمنوں کی سازش کے بھنور سے نکل گیا اور پاکستان آزاد و خود مختار ملک کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر اُبھر آیا۔

کوئل

مرسلہ: شیخ عرفان احمد روفی، پیلان

گا اے پیاری کوئل گا
گا کر میرا دِل بہلا
تیری لے متوالی ہے　　صورت بھولی بھالی ہے
رنگت کالی کالی ہے　　جیسے چمکے مست گھٹا
گا اے پیاری کوئل گا
تیرے نغمے ہیں جادو　　تیرا گانا کُو کُو کُو
رنگ لائے اللہ ھُو۔　　جادو اس کی قدرت کا
گا اے پیاری کوئل گا
گا کر میرا دِل بہلا
کالے بھنورے گھوم گئے　　کلیوں کے منھ چُوم گئے
پھول ہوا میں جھوم گئے　　گلشن کی ہے مَست ہوا
گا اے پیاری کوئل گا
گا کر میرا دِل بہلا

سائنس کے کرشمے

زرینہ رشید، کھوکھرا پار

دنیا کی پیدائش قدرت کا ایک کرشمہ ہے اور

اہلِ دنیا کی ضروریات پوری کرنے کے لیے آج جو مختلف ایجادات منظرِ عام پر آئی ہیں وہ سائنس ہی کے کرشمے ہیں۔ سائنس نے دنیا میں زبردست تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ اگر آج انیسویں صدی کا انسان اُٹھ کر آجائے تو وہ پہچان نہ سکے گا کہ یہی وہ دنیا ہے جس میں انسان نے ایک عمر گزاری تھی۔ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ موجودہ دنیا بالکل بدل جائے گی۔ آنے والی نسلیں، ٹیلے وژن اور ریلوں کے انجنوں کو قدیم اور سادہ ایجادات کے نام لے کر یاد کریں گی۔

سائنس نے نہ صرف ہمارے ماحول کو بدل دیا ہے بلکہ ہمارے طرزِ فکر کو بھی بدل دیا ہے۔ زمانۂ قدیم میں انسان جن چیزوں کی پرستش کرتا تھا آج سائنس کی بہ دولت ان کو مسخر کر رہا ہے۔ کبھی چاند پر پہنچنے کی تیاری ہے تو کبھی سورج کی روشنی اور حرارت کو قبضے میں کرنے کی کوشش۔ سائنس وہ چیز ہے جس نے فضا میں پرچم اڑائے اور دنیا کے خشک و تر کا چپا چپا چھان مارا۔ طبی دنیا میں سائنس کی فتوحات اور بھی زیادہ حیرت انگیز ہیں۔ اس کے ذریعے سے اندھوں کو آنکھیں، بہروں کو کان، مایوس بیماروں کو شفا مل رہی ہے۔ علاج کرنے کے نت نئے طریقے ایجاد ہو رہے ہیں۔ سائنس نے انسان کی اوسط عمر میں اضافہ کیا ہے۔ اب وہ روح کا سربستہ راز معلوم کرنے کی فکر میں ہے۔

سائنس کی سب سے بڑی دریافت بجلی ہے، جس نے انسانی طرزِ معاشرت کی کایا پلٹ دی ہے۔ بجلی کی دریافت انسان کے لیے آرام، راحت اور عیش و نشاط کا پیغام ہے۔ آج امریکا اور برطانیہ ہمارے اتنے قریب ہیں جیسے شہر کے دوسرے سرے پر بیٹھا کوئی دوست باتیں کر رہا ہو۔ سائنس کے زمانے سے پہلے سفر کیے جاتے تھے، لیکن آج سائنس کی مدد سے ایک آٹھ دس سال کا بچّہ بہ حفاظت کراچی سے سعودیہ تک جاسکتا ہے۔ اب قافلوں کی ضرورت نہیں رہی۔ ریل گاڑیاں انسانی خدمت میں معروف ہیں۔

سائنس کی بہ دولت علم ارزاں ہو گیا ہے۔ چھاپے خانے کی ایجاد کی بہ دولت آج ایک عام آدمی بھی کتاب خریدنے کے قابل ہو گیا ہے۔ ہم ریڈیو سے گھر بیٹھے دنیا کے بڑے بڑے عالموں اور ماہروں کی تقاریر سن کر اپنے علم کی پیاس بجھاتے ہیں۔

سائنس نے انسان کو غیر معمولی طور پر طاقت ور بنا دیا ہے۔ اب وہ میدانِ جنگ میں نئے ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر جاتا ہے۔ اب انسان کی فکری بہادری کو فوقیت نہیں ہے۔ بندوق اور توپ کے ہتھیار تو اب پرانے ہو چکے ہیں۔ اب راکٹ اور ایٹم بم عام ہیں۔ سائنس نے جدید ہتھیار دشمن کی طاقت سلب کرنے کے لیے تیار کیے ہیں، اور ساتھ ہی ان سے بچنے کے لیے ضروری سامان بھی مہیّا کیے ہیں۔ آج سائنس نے بہت سے پرانے خیالات کو بالکل وہم ثابت کر دیا ہے۔ ان خیالات کو انسان عرصۂ دراز سے جہالت کی بنا پر تسلیم کیے ہوئے تھا۔ سائنس کی بہ دولت انسان کو قدامت پرستی سے

آزادی مل گئی ہے۔ اس لیے اب ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ انسان کی ترقی کا انحصار سائنس پر ہے۔

وفادار نوکر

سید محمد جعفر، پارسی کالونی

عبدالمجید ایک امیر لڑکا تھا۔ شہر کے اسکول میں پڑھتا تھا۔ وہ جب گھر سے اسکول آتا تو اسے نوکر ساتھ بستہ اُٹھاتے چھوڑنے آتا۔ واپسی پر بھی یہی ہوتا۔ اسی مدرسے میں دانش بہت محنتی، ہوشیار اور غریب لڑکا تھا۔ ایک دن آسمان پر بادل چھائے ہوتے تھے۔ ماسٹر صاحب نے وقت سے ایک گھنٹہ پہلے ہی چھٹی دے دی کہ اگر بارش ہونے لگی تو لڑکوں کو گھر جانا مشکل ہو جائے گا۔ چھٹی ہوتے ہی مجید نے دانش کے ساتھ باتیں شروع کر دیں تاکہ کچھ وقت گزر جائے اور نوکر آجائے مجید نے کہا، بھائی دانش، دیکھو نوکر بڑے کام چور ہوتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ آج موسم کی وجہ سے جلدی چھٹی ہو جائے گی مگر ان میں سے اب تک کوئی بھی نہیں آیا۔ دانش بولا کہ نوکر سب ایسے ہی ہوتے ہیں مگر اصلی نوکر کبھی سستی نہیں کرتے، دیکھو میرے دس نوکر ہیں اور یہ سب کے سب میرے ایک اشارے پر کام کرتے ہیں۔ یہ سُن کر مجید سوچ میں پڑ گیا، کیوں کہ وہ دانش کو جھوٹا نہیں جانتا تھا اور نہ کبھی اس نے اس کا کوئی نوکر ہی دیکھا تھا۔ حیران ہو کر بولا، تمھارے نوکر میں نے تو پہلے کبھی نہیں دیکھے۔ دانش نے جواب دیا، میرے نوکر تو ہر وقت میرے ساتھ رہتے ہیں۔ تم انھیں سب کے ساتھ روز دیکھتے ہو۔ مجید حیران ہو کر بولا، اُن میں سے دو ایک کے نام تو بتاؤ۔ دانش نے کہا، ایک دو کیا میں دسوں کے نام بتاتے دیتا ہوں۔ سنو دو آنکھیں، دو کان، دو ہاتھ، دو پاؤں، ایک ناک اور ایک زبان۔ میرے ایسے وفادار نوکر ہیں کہ دل کے ارادے تک کو جانتے ہیں اور فوراً حکم مانتے ہیں۔

ماسٹر صاحب بھی دروازے میں کھڑے باتیں سُن رہے تھے۔ انھوں نے کہا، شاباش دانش! بے شک تمھارے نوکر بڑے وفادار ہیں۔ ایسی خدمت کرتے ہیں جو دوسرا نہیں کر سکتا۔ مجید! تم بھی ایسے ہی نوکروں سے کام لیا کرو تو دوسروں کے کبھی محتاج نہ ہو گے۔

دانش اور ماسٹر صاحب کی باتیں سُن کر مجید پر بہت اثر ہوا اُس نے فوراً بستہ باندھ کر اکیلے گھر کی راہ لی اور پھر کبھی نوکروں سے بستہ اُٹھوا کر نہ لایا۔

گنّا

مرسلہ: ثوبیہ بانو، ناظم آباد

میٹھا میٹھا رس ہے اس کا
قد بھی دیکھو اس کا لمبا
چھیل کے کھاؤ، توڑ کے کھاؤ
ہر دَم اس کو میٹھا پاؤ
جُوس بھی اس کا خوب مزے کا
جتنا اچھا اتنا سستا

جو بھی گنڈیری اس کی کھائے
دانتوں کو مضبوط بنائے

اچھا اس کا نام نہیں ہے
بوڑھوں کو اس سے کام نہیں ہے

بوڑھے اس کا رس ہی پی لیں
ہر دم ہنس لیں ہر دم جی لیں

گرمی کا ہے اچھا شربت
لذت والا ٹھنڈا شربت

نام تو اس کا گنا بھی ہے
یوں یہ عالم چنا بھی ہے

قرار دادِ پاکستان

ریاض الاحسان، ناظم آباد

قرار دادِ پاکستان کو پاکستان میں بڑی اہمیت حاصل ہے، کیوں کہ ۲۳۔ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے منٹو پارک (اقبال پارک) میں مسلم لیگ کا وہ تاریخی اجلاس ہوا جس میں پہلی بار قرارداد پیش کی گئی اور پاکستان کا

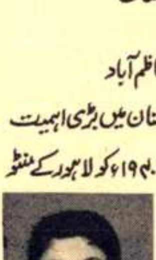

مطالبہ کیا گیا تھا۔ یہ بعد میں قرار دادِ پاکستان کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس اجلاس کی صدارت قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ نے خود کی۔ شیرِ بنگال مولوی فضل الحق نے قرارداد پیش کی۔ قائدِ اعظمؒ نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہے ان کی تہذیب و ثقافت ہندوؤں کی تہذیب و ثقافت سے بالکل مختلف ہے۔ اور دونوں کی تاریخی روایات بھی مختلف ہیں۔ دونوں کے رہنے سہنے کے طریقوں میں بھی بڑا فرق ہے۔

قائدِ اعظمؒ نے فرمایا، مسلمان صرف اپنی انفرادیت کو قائم رکھنے کے لیے ایک الگ ملک کا مطالبہ کرتے ہیں اور یہ وطن اُن علاقوں میں قائم ہو سکتا ہے جن علاقوں میں ہندوؤں کے مقابلے میں مسلم اکثریت ہو۔ قرارداد کے پاس ہونے کے بعد ہندو لیڈروں نے اس قرارداد کے خلاف اعتراضات شروع کر دیے، لیکن مسلم لیڈروں نے ان اعتراضات کی تردید کی اور کہا کہ پاکستان غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کرے گا۔ چناں چہ اس دن سے تحریکِ پاکستان کا آغاز ہوا اور پھر سات برس کی مدت میں قائدِ اعظمؒ اور دوسرے مسلم لیڈروں کی قیادت میں پاکستان بن گیا۔ جس مقصد کے لیے ہم نے پاکستان قائم کیا تھا وہ ابھی پورا نہیں ہوا ہے یعنی ہم پاکستان کو ایک اسلامی ملک بنائیں گے اور اس ملک کا ہر فرد قرآن و سنّت کی روشنی میں عمل کرے گا۔ اب اس ملک کو قائم رکھنا اور ترقی دینا ہمارا کام ہے، اور یہ بات اس وقت ممکن ہے جب ہم اپنے ذاتی فائدے کے بجائے صرف پاکستان کی ترقی اور خوش حالی کے لیے سوچیں۔ ہمیں ہر قدم پر یہ ثبوت دینا ہوگا کہ ہم پاکستان سے سچی محبت کرتے ہیں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم قائدِ اعظم کے دیے ہوئے اصولوں کو مشعلِ راہ بنائیں اور پاکستان کے مفاد کو تمام مفادات پر ترجیح دیں۔

لڑائی کا انجام

محمد علی، شاہ فیصل کالونی

کسی دریا کے کنارے ایک مینڈک اور ایک چوہا رہتے تھے۔ اُن کو وہاں رہتے ہوئے مدّت ہو گئی تھی مگر اُن کی آپس میں بنتی نہ تھی۔ دونوں آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ مینڈک موقع پا کر چوہے پر حملہ کرتا مگر چوہا بچ نکلتا۔ جب مینڈک بے خبر ہوتا تو چوہا اس پر حملہ کرتا۔ ایک دن مینڈک نے چوہے سے کہا، "ہمت ہو تو میدان میں آؤ۔"

یہ سُن کر چوہا بولا، "تم مجھ کو کم زور سمجھتے ہو، لو آ جاؤ میدان میں۔"

دونوں نے ایک ایک نوک دار سرکنڈا لے لیا۔ جب وہ ایک دوسرے پر حملہ کرنے لگے تو ایک چیل اوپر سے جھپٹی اور دونوں کو پنجوں میں دبا کر اُڑ گئی۔ آپس کی لڑائی کا یہی انجام ہوتا ہے۔

عقل مند پیر

نوید احمد صدیقی، عزیز آباد

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اٹلی میں ایک بادشاہ جان

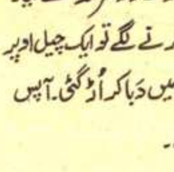

حکومت کرتا تھا۔ وہ اپنی رعایا کا بہت خیال رکھتا تھا، اسی لیے رعایا بہت خوش تھی۔ بادشاہ نے اپنے پاس ایک پیر کو رکھا ہوا تھا جس کا وہ مرید تھا۔ بادشاہ خود پیر کی بہت عزت کرتا تھا۔ جو پیر صاحب کہتے تھے بادشاہ وہی کرتا تھا۔ جو خود کھاتا وہی پیر کو کھلاتا تھا، لیکن بادشاہ بہت تن درست تھا اور پیر صاحب بہت کم زور تھے۔ بادشاہ روز پیر سے پوچھتا تھا کہ جو میں کھاتا ہوں وہی آپ کو بھی کھلاتا ہوں مگر میں تن درست ہوں اور آپ کم زور ہیں، لیکن پیر صاحب ہر دفعہ ٹال دیتے تھے۔

آخر ایک دن بادشاہ نے بہت ضد کر کے پیر صاحب سے پوچھا تو پیر صاحب نے کہا کہ میری ایک چیز کھو گئی ہے اور میں کل تمھیں وہ چیز اور جس نے چوری کی ہے اس کا پتا بتاؤں گا۔ تم فوراً اسے کل قتل کرنے کا حکم دے دینا۔ بادشاہ نے کہا ٹھیک ہے۔ دوسرے دن جب بادشاہ پیر صاحب کے پاس آئے تو پیر صاحب نے کہا کہ میری تسبیح کھو گئی ہے اور وہ میرے اس ملازم نے چرائی ہے جو کہ بادشاہ نے پیر کی خدمت کے لیے رکھا تھا اور یہ ملازم بہت موٹا اور طاقت ور تھا۔ بادشاہ کو بہت غصّہ آیا اور بادشاہ نے حکم دے دیا کہ اسے کل صبح قتل کر دیا جائے۔ ملازم نے بہت کہا کہ یہ چوری میں نے نہیں کی، لیکن جلّاد اُسے لے گئے۔ جب صبح ہونے لگی تو پیر صاحب نے کہا کہ میں اس ملازم سے ملنا چاہتا ہوں۔ فوراً ملازم کو حاضر کیا گیا تو اس ملازم سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا، وہ بہت کم زور ہو گیا تھا، کیوں کہ اُسے اس خوف نے کم زور کر دیا تھا کہ کل اُسے مر جانا ہے۔ پیر صاحب نے کہا، دیکھا اے بادشاہ! یہ ایک دن میں اتنا کم زور ہو

گیا ہے، کیوں کہ اسے پتا تھا کہ کل اسے مرجانا ہے اور میں تو ہر وقت ہی یہ سوچتا ہوں کہ موت برحق ہے اور نہ کیا پتا انسان کب مرجائے۔ اس کے بعد پیر نے کہا کہ اس ملازم کو چھوڑ دیا جائے تو بادشاہ نے فوراً اس ملازم کی بیڑیاں کھلوائیں اور اس ملازم کو چھوڑ دیا گیا، کیوں کہ ملازم پر تو صرف مثال دینے کے لیے پیر نے الزام لگایا تھا۔

میری ڈائری

مرسلہ: محمد حنیف، زبیری کالونی

ڈائری میری خوب صورت ہے
شوق سے دیکھیے اجازت ہے
سالِ نو کا یہ خاص تحفہ ہے
عام لوگوں کا اس میں چرچا ہے
اس میں موجود ہر مہینہ ہے
سال بھر کے لیے خزینہ ہے
وقت کی قدر یہ سکھاتی ہے
جو بھی پوچھو وہی بتاتی ہے
اس میں تہوار درج ہیں سارے
جس طرح آسماں پہ ہوں تارے
اس میں لکھتا ہوں روز کے حالات
اور ہر یاد رکھنے والی بات
فائدے بے شمار ہیں اس کے
نقطے باغ و بہار ہیں اس کے
یہ گلستاں ہے علم و حکمت کا
کیا ٹھکانا ہے اس کی عظمت کا
دیکھنے سے سرور ملتا ہے
دل کا غنچہ ضرور کھلتا ہے

وقت کا فیصلہ

طاہرہ عزیز، جرود

مغلیہ خاندان کے شہنشاہ شاہجہاں کے چار بیٹے تھے۔ ایک کا نام دارا شکوہ، دوسرے کا شجاع تیسرے کا مراد اور چوتھے کا محی الدین تھا۔ شاہجہاں جب بوڑھا ہوگیا تو اسے فکر ہوئی کہ اس کے مرنے کے بعد تخت و تاج کا وارث کسے ہونا چاہیے۔ شہنشاہ اس بات کا فیصلہ خود نہ کرسکا کہ اپنا جانشین کس کو بنائے۔ اُس نے وزیر سے پوچھا کہ اس سلسلے میں اسے کیا کرنا چاہیے۔ وزیر نے جواب دیا، حقیقی معنوں میں رعایا کا حاکم تو کوئی ایسا شخص ہونا چاہیے، جو اُن کے مسائل کو بہتر طور پر سمجھے اور پھر انھیں عمدہ طریقے سے حل بھی کرسکے۔ لہٰذا اس سلسلے میں مجھے کچھ وقت عنایت فرمائیں تاکہ میں ان سب کو پرکھ سکوں اور پھر جسے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب سمجھوں آپ کو بتاؤں۔

وزیر کئی دن تک اس مسئلے پر غور کرتا رہا۔ آخر اس نے ایک ترکیب نکالی۔ وہ سب سے پہلے دارا شکوہ کے محل میں گیا۔ باتوں باتوں میں مناسب موقع دیکھ کر دارا سے دریافت کیا کہ شہزادۂ عالم! کیا آپ کو علم ہے

کہ آج کل ہمارے ملک میں چنے کا کیا بھاؤ ہے؟ ہندستان کے کن کن شہروں میں عمدہ جوتے تیار ہوتے ہیں؟ کس شخص کو کس سے خوشی خوشی ہار مان لینی چاہیے۔

دادا نے کہا، بھلا شہزادوں کو ان معمولی معمولی باتوں کی طرف کہاں دھیان ہوتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے اس قسم کے سوالات کر کے میری توہین کی ہے۔ آپ کو کم از کم شہزادوں کے مرتبے اور مقام کا تو خیال رکھنا چاہیے۔

اس کے بعد وزیر شجاع کے محل پہنچا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے شجاع سے بھی وہی تین سوال کیے۔ شجاع نے بھی بڑے بھائی کی طرح جواب دیا۔ وزیر وہاں سے اُٹھ کر مُراد کے محل پہنچا۔ مُراد کے سامنے بھی اس نے یہی سوال دُہرائے۔ مراد نے ان سوالات کو سُن کر ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ اب صرف ایک شہزادہ محی الدین رہ گیا تھا۔ وزیر اس سے ملنے اس کے محل پہنچا۔ اس نے باتوں باتوں میں وہ تین سوالات اس سے بھی کر دیے۔ محی الدین نے اس کے جواب میں کہا، آپ نے بڑے اچھے سوالات کیے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان باتوں سے واقف رہیں، کیوں کہ یہ مسائل رعایا اور عوام کے مسائل ہیں۔ ان سے باخبر رہنا اور پھر سوچ سمجھ کر انھیں حل کرنا ایک اچھے اور کام یاب حاکم کے لیے لازمی ہے۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اِن دِنوں چنے کا بھاؤ آگرہ میں بارہ پنسیری، دلّی میں گیارہ اور بہار میں تیرہ پنسیری ہے۔ اچھے اور عمدہ جوتے دلی، لدھیانہ اور کان پور میں بنتے ہیں۔ اور آخری سوال کا جواب یہ ہے کہ ایک سمجھ دار اور اچھے باپ کو اپنے سب سے زیادہ اچھے اور با اخلاق بیٹے سے یہ خوشی ہار مان لینی چاہیے۔ وزیر چوتھے شہزادے سے اپنے سوالات کا جواب سُن کر بے حد خوش ہوا اور اس طرح محی الدین کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ شہزادہ محی الدین اپنی طاقت، صلاحیت اور قابلیت کے بل بوتے پر اورنگ زیب عالم گیر کے نام سے کوئی نصف صدی تک برصغیر پاک و ہند پر ایک بے مثال حکم راں کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا۔

ترقی اور ہماری سوچ کا انداز

مرسلہ: محمد طارق اسماعیل، بہادل نگر

آج ہمارا ملک بہت ترقی کر رہا ہے۔ وہ فنی، سائنسی اور تکنیکی اعتبار سے خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے روز بہ روز ترقی کر رہا ہے۔ اس کی ترقی میں سب لوگوں کی محنت شامل ہے۔ زندہ قومیں ہمیشہ اپنے ماضی کو یاد کر کے سبق حاصل کرتی ہیں۔ آج سے ۳۸ سال قبل ہم آزاد نہیں تھے، غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوتے تھے۔ یہ ملک بڑی محنتوں، قربانیوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ یاد رکھیے ملک کو قائم کرنے سے زیادہ ملک کو مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم رکھنا مشکل ہے، اس لیے ہمیں تعمیری اور اچھی عادتیں پیدا کرنی چاہییں اور ملک کی دل و جان سے خدمت کرنی چاہیے۔ اگر کبھی خدا نخواستہ ملک

پر کوئی بُرا وقت آ پڑے تو ہمیں اس کا پوری طرح پہلے سے دفاع کرنا چاہیے۔ خواہ اس میں ہمارا تن، من، دھن سب کچھ لُٹ جائے، لیکن وطن پر آنچ نہیں آنی چاہیے۔ قدرت کا یہ اصول ہے کہ جہاں پھول ہوتے ہیں وہاں کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ بعض شر پسند لوگ اور قوم پرست ہمارے ملک کو مستحکم نہیں دیکھنا چاہتے۔ ان کے مقابلے کے لیے ہر وقت ہمیں تیار رہنا ہوگا اور اس کے لیے ہمیں اپنے اندر ایک نیا تعمیری جذبہ پیدا کرنا ہوگا۔ اگر ہم ملک کو تیزی سے ترقی کرتا دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں سائنس میں آگے بڑھنا ہوگا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہی ترقی کرکے ہم اپنے ملک کو مضبوط اور مستحکم کر سکیں گے۔ اپنے اندر ملک کے لیے نیا جذبہ اور تعمیری سوچ اختیار کیجیے۔ اِن شاء اللہ آپ کی محنت اور کوشش ضائع نہیں جائے گی۔

پہیلی

مرسلہ: شبانہ ناز، سیال کوٹ

بوجھو میری ایک پہیلی
جو ایجاد ہے اِک البیلی
ننھا سا اِک آلہ ہے وہ
آفت کا پرکالہ ہے وہ
اُس کو اِک پَل چین نہ آئے
لمحہ لمحہ گنتی جائے
ہم تم جاگیں یا سوئیں
اپنے وقت کو یوں ہی کھوئیں
لیکن وہ اِک پَل ہو غافل
ایسی نہیں وہ سُست اور کاہل
دن ہو، رات ہو کوئی پَل ہو
آج ہو، پرسوں ہو یا کل ہو
اُس کا کام ہے چلتے رہنا
صرف اپنے مطلب کی کہنا
جو بھی سب سے پہلے جانے
اُس کو دیں گے ہم چار آنے

(گھڑی)

نانی کا پان دان

صائمہ خالد، کراچی

پیاری نانی جان صرف دو دانے دے دیں۔ یہ ہم تھے جو اپنی نانی جان سے چھالیا مانگ رہے تھے اور نانی جان ایک دانہ دے کر یوں پورے گھر کو بتا رہی تھیں جیسے ایک دانہ دے کر حاتم طائی کی قبر پر لات مار رہی ہوں۔ نانی جان جو اپنے پان دان کو اور وہ بھی چاندی کے پان دان کو الماری کو سب سے اونچی جگہ سمجھ کر گویا کے ٹو کی چوٹی سمجھ کر رکھا کرتی تھیں۔ اسی میں سے کبھی کسی لوازمات سے نہ نوازتی تھیں۔ حسرت ہی رہی کہ کبھی ایک دو دانے ہی منھ میں چلے جائیں۔ ٹھیک ہے نہ دیں۔ میں بھی رفعت کے ساتھ مل کر ایسا منصوبہ بناؤں گی کہ پان دان کی چیزیں بچ نہیں سکیں گی۔ ہم نے کسی جاسوس کی مانند اپنے ڈھائی من کے سر میں سوچا

اور دوسرے ہی لمحے رفعت کو فون کر کے بُلا لیا۔ رفعت نے آتے ہی پوچھا، کیا ہے؟ فون پر اتنا چلاّ کیوں رہی تھیں؟ میں نے کہا، چھوڑو ان باتوں کو کوئی ایسا منصوبہ بناؤ کہ پان دان لوٹ مار کے طوفان سے نہ بچ سکے۔

رفعت لاؤڈ اسپیکر کی آواز سے چیخی، پان مجھے بہت پسند ہے۔ بھئی چھالیا اور کھوپرا میں لوں گی۔

لے لینا مگر کوئی ترکیب بھی تو سوچو۔ اور وہ اڈیسن کی طرح سوچوں میں گُم ہو گئی۔ کافی دیر بعد جب وہ خیالات کی دنیا سے لوٹی تو ہم نے ان سے پوچھا، کچھ سوچا؟

ہاں اس نے مختصر جواب دیا اور بولی، وہ سوتی کب ہیں؟ ہم نے کہا، دوپہر کے کھانے کے بعد۔ رفعت نے چٹکی بجائی، بس پھر یہ وقت ٹھیک ہے۔ اور دوپہر کو ہم کسی سراغ رساں کی طرح آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے نانی جان کے کمرے کی طرف روانہ ہوتے۔ ہم نے دروازہ کھولا۔ وہ ذرا سی چرچراہٹ کے ساتھ کُھل گیا۔ ہم نے وہ جگہ دیکھی جہاں پان دان ہمیں صاف نظر آرہا تھا۔

رفعت جلدی سے کرسی اُٹھا لائی۔ ہم کرسی کے اوپر رفعت کو یہ ہدایت کر کے چڑھ گئے کہ نانی جان کو دیکھتی رہنا۔ ہم نے ایک ہاتھ سے پان دان پکڑا، مگر یہ کیا یہ تو بہت بھاری تھا۔ ہم تو سمجھے تھے کہ اُٹھ جائے گا مگر یہ کیا یہ تو ہمارے ہاتھ کو رنگین بناتا ہوا رفعت کے سر پر ایف ۱۶ کی طرح گزرتا ہوا زمین پر گر گیا۔ ہم دونوں چونے اور کتھے میں نہائے ہوئے تھے۔ پان دان کے دھماکے سے نانی جان کی آنکھ کُھل گئی۔ انھوں نے جو اپنے پان دان کا یہ حال دیکھا تو غصّے سے بپھر گئیں۔ ہم لوگوں نے بھاگنے کی کوشش کی تو نیچے گری ہوئی چھالیا کی وجہ سے پھسل گئے۔ پھر جو ہمارا حال ہوا وہ لکھنا ضروری نہیں، مگر اتنا بتا دیں پھر ہم تین دن اسکول نہ جا سکے۔

زہریلا خزانہ

عابد فاروقی، حیدر آباد

مارک لوٹن آج کل بہت خوش تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اسے ایک دن ایک گاؤں جانے کا اتفاق ہوا۔ اُسے وہاں ایک تہ خانے کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ اُس تہ خانے میں بھوت بس گئے ہیں۔ مارک لوٹن چوں کہ ایک پڑھا لکھا اور عقل مند شخص تھا، اس لیے اُس لیے اُس نے بھوت پریت کے قصّے پر یقین نہ کیا اور تہ خانے میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔

بہت سے لوگوں نے اُسے اُس کے فیصلے سے ہٹانا چاہا۔ اُس نے کسی کی ایک نہ سُنی اور اپنے فیصلے پر قائم رہا۔

تہ خانے کے بارے میں اُس نے گاؤں والوں سے پوری معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اسے بتایا گیا تھا کہ جنگِ آزادی کے وقت یہاں ایک شخص جان کی حکومت تھی۔ گاؤں کی حکومت اُسے باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ اس کے دو بیٹے تھے، بڑے کا نام ہنری تھا اور چھوٹے کا نام لبزلی تھا۔ مرتے وقت جان اپنے دونوں بیٹوں کو خزانے کے بارے میں بتا گیا تھا۔ اُسی وقت

دشمن بھی گاؤں پر حملہ آور ہوئے۔ دونوں بھائیوں نے اپنے لیے تہ خانے کو پناہ گاہ بنایا اور اس میں کھانے کے ایک بڑے ذخیرے کے ساتھ رہنے لگے۔ کچھ سال بعد کھانے کا ذخیرہ ختم ہو گیا اور آخر دونوں بھائی بھوک پیاس کی وجہ سے تہ خانے ہی میں مر گئے۔ تہ خانے کے بارے میں صرف دونوں بھائیوں کے منشی کو ہی پتا تھا۔ اُن کے مرنے کے بعد اُس نے یہ بات عام کر دی۔ چھے سات آدمی لالچ میں آ کر خزانہ لینے گئے مگر واپس نہ آئے۔ اس لیے یہ مشہور ہو گیا کہ تہ خانے میں دونوں بھائیوں کی روحیں رہتی ہیں اور جو بھی خزانہ لینے جاتا ہے اُسے مار ڈالتی ہیں۔

یہ سب باتیں معلوم ہونے کے باوجود مارک لوٹن اگلے دن تہ خانے میں جانے کے لیے تیار تھا۔ اُس کا وفادار کتّا اُس کے ساتھ تھا۔ جیسے ہی مارک لوٹن اندر داخل ہوا اس نے فوراً اس خیال سے دروازہ بند کر دیا کہ کوئی اور آدمی اندر داخل نہ ہو سکے۔ وہ اور اس کا کتّا سیڑھیاں اُترنے لگے۔ اچانک اُسے ایک تیز بُو محسوس ہوئی۔ بُو بڑھتی گئی۔ آخر کتّا بُو کی تاب نہ لا سکا اور گر پڑا۔ اس کے کچھ دیر بعد مارک لوٹن بھی گر گیا۔ دونوں کا دَم گھٹنے لگا اور آخر دونوں نے دَم توڑ دیا۔

روبٹ مارک لوٹن کا گہرا دوست تھا۔ اس لیے مارک لوٹن روبٹ کو سب بتا کر گیا تھا۔ روبٹ نے اُسے روکنے کی کوشش کی تھی، مگر مارک لوٹن نہ مانا تھا۔ روبٹ اور مارک لوٹن دنیا میں تنہا تھے اور ایک ساتھ رہتے تھے۔ جب کافی دن گزر گئے اور مارک لوٹن شہر واپس نہ آیا تو روبٹ پریشان ہو گیا۔ وہ سیدھا گاؤں پہنچا۔ وہاں اپنے دوست کی موت کی خبر سُن کر روبٹ کو بہت افسوس ہوا۔

روبٹ نے فیصلہ کیا کہ کیا وہ تہ خانے سے خزانہ ضرور نکالے گا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ کوئی زہریلی گیس ہے۔ جو انسان کو ختم کر دیتی ہے۔ وہ اپنی عقل لڑا رہا تھا اور سائنسی معلومات کی کتابیں پڑھ رہا تھا مگر کسی ایسی گیس کا ذکر کتابوں میں نہیں آیا، لیکن اس نے صبر سے کام لیا، کیوں کہ اپنے دوست کی بے صبری اور کم عقلی کا انجام وہ دیکھ ہی چکا تھا۔

آخر ایک دن روبٹ گیسوں کے متعلق ایک کتاب پڑھ رہا تھا کہ ایک صفحے پر وہ چونک اُٹھا۔ اس میں ایک ایسی گیس کے متعلق بتایا گیا تھا، جو کمرے وغیرہ بہت سالوں سے بند پڑے رہنے اور تازہ ہوا کے نہ آنے سے پیدا ہو جاتی ہے بس یوں سمجھ لیں کہ کمرا ایر پروف ہو اور بہت سالوں تک بند رہے تو اس میں یہ گیس پیدا ہو جاتی ہے۔ نیچے اُس سے نجات پانے کا طریقہ بھی لکھا ہوا تھا۔

یہ گیس کاربن ڈائی اوکسائڈ ہی ہوتی ہے جو زہریلی بن جاتی ہے۔ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ایک بڑی بوری جس میں گندم یا کنک بھری ہو

اس جگہ لے جائیں جہاں یہ گیس جمع ہوئی ہو۔ پھر بھری بوری میں تھوڑی سی آگ لگاکر اندر پھینک دیں اور دو گھنٹے بعد کمرے وغیرہ کا دروازہ کھول دیں گیس دھویں کی شکل میں باہر نکل جائے گی اور پھر آپ اندر جاسکیں گے۔

اگلے دن روبرٹ تہ خانے میں جانے کے لیے تیار تھا۔ اس کے ساتھ ایک بلّی ایک گندم سے بھری ہوئی بوری اور احتیاط کے طور پر ایک "گیس ماسک" بھی تھا۔

تہ خانے کے دروازے پر پہنچ کر اُس نے گندم کی بھری ہوئی بوری میں تھوڑی سی آگ لگائی اور تھوڑا سا تہ خانے کا دروازہ کھول کر جلتی ہوئی بوری اندر پھینک دی۔ دو گھنٹے بعد اس نے گیس ماسک پہنا اور تہ خانے کا دروازہ پورا کھول دیا۔ بہت سا دھواں باہر نکل آیا۔ جب روبرٹ کو یقین ہوگیا کہ اب دھواں اندر باقی نہیں ہے تو اُس نے بلّی کو اندر پھینک دیا۔ کچھ دیر بعد بلّی زندہ سلامت دوڑتی ہوئی واپس آگئی۔ اب روبرٹ اندر داخل ہوا۔ اُس کے سامنے سات ڈھانچوں کے علاوہ اس کے دوست اور کتّے کی لاشیں بھی پڑی تھیں۔ اُن لاشوں کا گوشت جگہ جگہ سے اُدھڑا ہوا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک انھیں دیکھتا رہا پھر آگے بڑھا اور خزانے کی بوری اُٹھا کر واپس باہر آگیا۔

دوسرے دن اس قصّے کو اخبارات میں پہلے صفحے پر چھاپا گیا۔ گاؤں کے ہزاروں لوگ روبرٹ کو مبارک باد دے رہے تھے۔ اور وہ انھیں بتا رہا تھا کہ اُس نے کس طرح خزانہ حاصل کیا۔

پیارے بچّو

مرسلہ: عائشہ صدیقی، کراچی

یہ میری نصیحت سنو پیارے بچّو
بزرگوں کی عزت کرو پیارے بچّو
کرو نام روشن عروسِ وطن کا
بہاروں کا مرکز بنو پیارے بچّو
ملے گی تمھیں کامرانی کی منزل
ترقی کی راہ پر چلو پیارے بچّو
سنو عائشہ یہ کہہ رہی ہے تم سے
سبق دل لگا کر پڑھو پیارے بچّو

حصولِ علم کی اہمیت

فرخ تیمور کبیل، راول پنڈی

⌘ علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا جنت کی راہ طے کرنے کی طرح ہے۔

⌘ ہر مسلمان کے لیے علم حاصل کرنا فرض ہے۔

⌘ سب سے بڑا عالم وہ ہے جو دوسروں سے بھی علم حاصل کرتا رہے، کیوں کہ عالم علم کا بھوکا ہوتا ہے۔

⌘ حکمت و دانش کی بات مومن کی کھوئی ہوئی چیز کی مانند ہے۔ لہٰذا یہ جہاں بھی ملے اُس پر مومن کا سب

سے زیادہ حق ہے۔

✽ علم حاصل کرو چاہے تمھیں چین بھی جانا پڑے۔

قیمتی ہیرا

محمد ابراہیم معمور، رو ہڑی

بہت دن گزرے کسی ملک میں ایک غریب عبدل نامی مچھیرا اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا عبدل صبح سویرے گھر سے مچھلیاں پکڑنے کے لیے نکل جاتا اور شام کو مچھلیوں کو قریبی بازار میں فروخت کر دیتا اور حاصل ہونے والی رقم سے گھر کی ضروریات کی چیزیں خریدتا اور گھر آجاتا، جہاں اُس کی بیوی اس کا انتظار کر رہی ہوتی۔ اس طرح وہ ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔

ایک دن عبدل کے جال میں شام تک کوئی مچھلی نہ آئی۔ تھک ہار کر جب عبدل نے جال سمیٹا تو اس میں ایک خوب صورت چھوٹی سی مچھلی پھنسی ہوئی تھی۔ عبدل نے دل میں سوچا کہ فاقہ کرنے سے تو یہ بہتر ہے کہ چند نوالے ہی کھا لیے جائیں۔ یہ سوچ کر عبدل مچھلی کو لے کر بازار گیا اور بازار بند ہو چکا تھا۔ آخر کار عبدل مچھلی کو لے کر گھر پہنچا اور مچھلی کو بیوی کے حوالے کر کے دن بھر کی داستان سنائی۔ اس کی بیوی مچھلی کو پکانے کے لیے باورچی خانے میں گئی۔ لیکن جب اس نے مچھلی کا پیٹ چاک کیا تو کیا دیکھتی ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں کوئی چیز چمک رہی ہے۔

عبدل کی بیوی نے دل میں سوچا کہ کوئی کانچ کا ٹکڑا ہے جو کہ مچھلی نگل گئی ہے مگر وہ دراصل ایک قیمتی ہیرا تھا۔ عبدل کی بیوی نے کبھی ہیرا نہ دیکھا تھا اس لیے اس نے کانچ کا ٹکڑا سمجھ کر نالی میں پھینک دیا۔ اور مچھلی تیار کرنے لگی۔ رات کو مچھلی کھا کر دونوں میاں بیوی سو گئے۔ عبدل کے گھر میں چوہے بہت تھے۔ جب رات کو باورچی خانے میں عبدل کی بیوی اُٹھ کر چوہے بھگانے گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ باورچی خانے میں روشنی ہو رہی ہے۔ جب اندر جا کر دیکھا تو پتا چلا کہ یہ شام کو مچھلی کے پیٹ میں سے نکلنے والا کانچ کا ٹکڑا ہے۔ اس نے دل میں سوچا کہ صبح دیکھوں گی۔ یہ سوچ کر اس نے کانچ کے ٹکڑے کو طاق میں رکھ دیا اور آکر سو گئی۔

صبح جب عبدل مچھلیاں پکڑنے چلا گیا تو عبدل کی بیوی گھر کے کام کاج میں لگ گئی اور وہ کانچ کے ٹکڑے کو بھول گئی۔ کچھ دیر بعد عبدل کی بیوی کی ایک سہیلی آگئی جو کہ سنارن تھی۔ باتیں کرتے کرتے جب سنارن کی نظر طاق میں رکھے ہوئے کانچ کے ٹکڑے پر پڑی تو وہ پہلی ہی نظر میں پہچان گئی کہ وہ قیمتی ہیرا ہے۔ سنارن چالاک بھی بہت تھی۔ اس نے اندازہ لگا لیا کہ عبدل کی بیوی کو ہیرے کی اصل حقیقت معلوم نہیں ہے۔ اسی لیے اس نے ہیرا سامنے طاق میں رکھا ہوا ہے اور اگر وہ ذرا سی چالاکی سے کام لے تو ہیرے کی مالک بن سکتی ہے۔ یہ سوچ کر اس نے عبدل کی

بیوی سے کہا کہ: اے بہن، یہ میری سونے کی چوڑیاں لے لو اور یہ طاق میں جو چیز ہے یہ مجھے دے دو۔ سنارن نے اپنی چوڑیاں اُتارنی شروع کیں۔ عبدل کی بیوی نے کہا کہ نہیں، بہن ناں مجھے کیا ضرورت پڑی کہ اس کانچ کے ٹکڑے کے بدلے تمھاری سونے کی بارہ چوڑیاں لے لوں۔

سنارن نے بہت کوشش کی مگر وہ کام یاب نہ ہوئی اور اپنے گھر لوٹ آئی۔ مگر مچھیرن کو سنارن کی گفت گو سے یہ اندازہ ضرور ہو گیا کہ یہ کانچ کا ٹکڑا نہیں بلکہ کوئی قیمتی چیز ہے۔ جب شام کو عبدل گھر آیا تو اُس نے سنارن کے ساتھ ہونے والی گفت گو سنادی اور کہا کہ یہ قیمتی چیز ہے اسی لیے سنارن اتنی ضد کر رہی تھی۔ میری مانو تو اس کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دو۔ بادشاہ بہت سخی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ انعام میں کوئی چھوٹی موٹی جاگیر یا کوئی دولت ہی دے دے۔ عبدل نے کہا کہ نیک بخت تیری بات دل کو لگی۔ صبح میں بادشاہ کی خدمت میں یہ لے کر جاؤں گا میری پوشاک نکال دے۔

صبح عبدل نے اچھی سی پوشاک زیب تن کی اور ایک خوان میں ہیرا رکھا اور اس کو ایک صاف سے کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ اور شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا جب وہ شاہی محل پہنچا تو شاہی دربار لگا ہوا تھا۔ ایک خوب صورت تخت پر بادشاہ رعب اور دبدبے کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے بادشاہ کو سات دفعہ جھک کر سلام کیا اور پھر کہا کہ "بادشاہ سلامت! آپ کا اقبال بلند ہو۔ میں حضور کی خدمت میں ایک چھوٹی سی چیز پیش کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے جب کپڑا ہٹایا تو بادشاہ، امیر، وزیر اور درباری یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ برتن میں ایک نہایت قیمتی ہیرا جگمگا رہا ہے۔ بادشاہ نے اسی وقت شاہی خزانچی کو حکم دیا کہ عبدل کو رُپوں کی ایک سو تھیلیاں اور چھے گاؤں دے دیے جائیں۔ عبدل خدا تے بزرگ و برتر کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ اس کے بعد عبدل اور اس کی بیوی ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔

میرے پاکستان

مرسلہ: صوفیہ صابر، لاہور

سبز ہلالی پیارا پرچم — سب سے اونچا ہے گا ہر دم
اونچی رہے گی تیری شان — میرے پیارے پاکستان
پیارے پیارے پاکستان

تیری مٹی چاندی سونا — تیرے دَم سے ہنسنا رونا
تیرے دم سے اپنی جان — میرے پیارے پاکستان
پیارے پیارے پاکستان

تیری دھرتی اپنی ماں ہے — تُو تو ہم سب کی جاں ہے
تُو ہی ہے ہم سب کا مان — میرے پیارے پاکستان
پیارے پیارے پاکستان

تیرے باعث اپنی عزت — تجھ سے قائم اپنی شہرت
تیری بقا میرا ایمان — میرے پیارے پاکستان
پیارے پیارے پاکستان

بزمِ نونہال

■ حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اپنی مثال آپ تھا۔

خالد محمود مغل، مخدوم پور

■ کارٹون کوئی خاص نہ تھے۔ زمین کی بہن زہرہ معیاری مضمون تھا۔ خوش بُو کی تلاش بھی اچھی رہی۔

نور محمد، مسعود احمد آفتاب، خیرپور میرس

■ خاص نمبر کی کہانیوں میں چور پکڑو، کھیل، دادا ابا کی کتاب سونے کے پروں والا کبوتر بہت پسند آئیں۔ عربی کے دس اسباق بھی بڑے فائدہ مند ثابت ہوئے کیوں کہ میں کلاس ہشتم میں پڑھتا ہوں اور اس سال عربی لازمی ہے۔

غلام محمد جھانی، ڈی، جی، خان

■ خیال کے پھول، چاند کی بہن زہرہ۔ کہانیوں میں پیتل کا لوٹا، نوجوان اور سانپ اور جناب فیض لودھیانوی کی نظم "ہمدرد نونہال" بہت اچھی تھی۔ نجم الحسن نیازی، حیدرآباد

■ نونہال مجھے اور میرے گھر والوں کو بہت پسند ہے۔

بشریٰ خان، کراچی

■ ایم حارث نے جو تحریر صفحہ ۳۶ پر لکھی ہے اس میں ایک غلطی رہ گئی ہے۔ نشانہ باز کی جگہ نشہ باز شائع ہوا ہے۔ مجموعی طور پر رسالہ بہترین تھا۔ محمد نعیم میمن، حیدرآباد۔ شبیر محمد راجپوت، بھریاسٹی۔ مسعود سرور گوندل، ملتان۔ محمد اختر آدم، کراچی۔

■ نونہال اچھا تھا۔ شبینہ خورشید، کراچی

■ مجھے حکیم محمد سعید صاحب کی تحریریں بہت پسند ہیں۔

نامعلوم، نواب شاہ

■ جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول ہمیشہ کی طرح عمدہ تھے۔

اسماء شیخ، کراچی

■ کہانیاں اور لطیفے بہت دل چسپ تھے۔

سجاد احمد بلوچ، ڈیرہ غازی خاں

■ میں نے اکتوبر کا نونہال پڑھا تو مجھے یوں معلوم ہوا کہ ابھی نونہال میں کوئی کہانی نہیں بھیجی جب تک کہ اعلان نہ کیا جائے لیکن میں نے نونہال پڑھنے سے پہلے کہانی بھیج دی تھی جس کے لیے میں معافی چاہتی ہوں۔ نرگس دلدار، کراچی

> شاباش، تم بہت سمجھ دار بچی ہو۔

■ جاگو جگاؤ، زمین کی زہرہ، پیتل کا لوٹا، مور، نوجوان اور سانپ خاص طور پر بہت خوب صورت مضامین تھے۔

ساجد اللہ، کراچی

■ کہانیاں اور نظمیں اچھی تھیں۔ محمد بخش افگار، بل نگور

■ نظموں میں جناب تنویر پھول کی "ننھی چڑیا" اور جناب فیض لودھیانوی کی "ہمدرد نونہال" پسند آئیں۔ کہانیوں میں پیتل کا لوٹا، تین پڑوسی اور خوش بُو کی تلاش پسند آئیں۔ معلوماتی مضمون زمین کی بہن زہرہ نے معلومات پہنچائیں۔ صفحہ ۸۱ پر مضمون محرم الحرام میں عش عش کو اَش اَش لکھا گیا ہے۔ فرحان عادل، کراچی

> اش اش ہی صحیح ہے۔

■ نونہال پہلے جیسا خوب صورت نکل رہا ہے بلکہ اب تو پہلے سے بھی خوب صورت ہے۔ شہناز پروین سموں، ٹنڈو جام

■ اس دفعہ "متا" "سیارہ زحل" "کوئل کا گیت" "مضمون اچھے تھے۔ محمد جمشید یوسف فاروقی، مظفر گڑھ

■ بچوں کی ذہنی تربیت اور اخلاق و کردار کی تشکیل میں نونہال بہت کام کر رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نونہال کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے تاکہ یہ پرچہ اُن بچوں کے ہاتھوں تک بھی پہنچ سکے جو رسالے خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

رشیدہ رضوبیہ، کراچی

> تم نے بہت اچھی بات سوچی ہے۔ ہر اچھے کام کو پھیلانا چاہیے۔

■ ٹائٹل کچھ پسند نہیں آیا۔ غلام مصطفےٰ نسیم سموں، ٹنڈو جام

■ نونہال کا خاص نمبر اور عید کا تحفہ لاجواب تھا۔ اس شمارے کی کسی ایک نظم، مضمون یا کہانی کی تعریف کرنا زیادتی ہو گی، کیوں کہ پورا خاص نمبر ہی بے مثال تھا۔ منیزہ بانو، کراچی

■ کاش اگر میں ردی کی ٹوکری کو آگ لگا سکتا جس میں مجھ جیسے وفادار نونہالوں کے خطوط ڈال دیے جاتے ہیں۔

ناصر محمود خٹک اور اعجاز احمد گوپانگ، ڈیرہ غازی خاں

■ خاص طور پر جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ دل چسپ تھا۔ کہانیاں، نظمیں اور لطیفے بھی اچھے تھے۔ داد محمد بہادر، کراچی

■ جاگو جگاؤ، نوجوان اور سانپ بہت ہی خوب صورت تھے۔

عالمگیر آفریدی آف جمرود

■ نونہال اتنا خوب صورت اتنا دل چسپ تھا کہ بس پوچھنے سے باہر ہے۔ عزیز احمد تبسم

■ ہمیشہ کی طرح بہترین سرورق اور دل چسپ کہانیاں اور تحریریں بے حد پسند آئیں۔ مگر اس بار صفحہ ۳۶ پر غلطی تھی۔ "نشہ باز" کے بجائے "نشانہ انداز" ہونا چاہیے تھا۔ محمد اشرف کمالی، بخار

آپ نے ٹھیک غلطی پکڑی ہے۔ نشانہ انداز ہی ہونا چاہیے تھا۔

■ ہمدرد نونہال ایک بہت ہی عمدہ اور دل چسپ رسالہ ہے۔

ملک شاکر محمود اور ملک محمد جاوید، کلّو، چکوال

■ نونہال میں بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ اس سے میں نے بہت سی معلومات حاصل کی ہیں اور جاگو جگاؤ میں حکیم محمد سعید صاحب تو دل کی دنیا ہی بدل دیتے ہیں۔

محمد اکبر شاکر، واں بھچراں

■ جاگو جگاؤ، خیال کے پھول اور تحفے ہمیشہ کی طرح اچھے تھے۔ کہانی میں تین پڑوسی تو بہت پسند آئی۔

امتیاز احمد خان، کراچی

■ پیتل کا لوٹا کہانی معیاری لگی۔ "پہاڑ کبھی نہیں ملتے" یہ کہانی ہم سب کو پسند آئی۔ ننھا شاعر اچھی نظم تھی۔ کہانی نوجوان اور سانپ سے ہم کو بڑی معلومات حاصل ہوئی۔ سلیم احمد، خیر بلور میرس

■ جب میرے دوست نے پرانا نونہال دکھایا تو اس کے اندر حلقۂ دوستی بھی تھا، مگر آپ نے حلقۂ دوستی ختم کر دیا۔ آخر ایسا کیوں؟ آصف اقبال، حیدر آباد

ہر مہینے ایک ہزار نونہال اپنے پتے لکھتے تھے، جن کی جگہ نہیں ہوتی۔

■ خوب صورت سرورق، دل کش کہانیوں اور جاگو جگاؤ نے بڑی خوشی دی۔ ریاض حسین اعظمی، خیر بلور میرس

■ یہ بہت اچھا رسالہ ہے۔ اس رسالے سے میں نے بہت سے سبق سیکھے اور معلومات میں کافی اضافہ ہوا۔

طارق محمود طارق، ٹوبہ ٹیک سنگھ

■ کہانیوں میں جناب علی اسد کا نوجوان اور سانپ اور جناب مناظر صدیقی کا تین پڑوسی بہت پسند آئیں، لیکن جناب حکیم محمد سعید کے جاگو جگاؤ کا کیا کہنا۔ یہ تو نونہال کی زینت ہے۔

عبدالباقی غالب بلوچ، پسنی مکران

■ ہمدرد نونہال ہر ماہ باقاعدگی سے پڑھتی ہوں، لیکن میری لاپرواہی کی وجہ سے میرا جنوری اور مارچ کا نونہال کھو گیا ہے آپ وہ مجھے بھیج دیں اور قیمت بھی بتا دیں۔ انیلا ظہور، کراچی

تم نے اپنا پتا نہیں لکھا۔ یہ اچھی عادت نہیں ہے۔ افسوس یہ شمارے دفتر میں نہیں ہیں۔ رسالے بہت سنبھال کر رکھنے چاہییں۔

■ نونہال کی ہر کہانی مجھے اچھی لگتی ہے۔

راشد شفیع سلاورٹ، کراچی

■ نونہال ایک معلوماتی رسالہ ہے۔

راحت حسین، ڈیرہ غازی خاں

■ زمین کی بہن زہرہ بہت مفید تھی۔

سید علی اسد، اسلام آباد

■ خیال کے پھولوں کے چمن میں سے سب سے زیادہ ہمیں حضورؐ اور ہربرٹ اسپنسر کے پھول پسند آئے۔ زمین کی بہن زہرہ بہت خوب صورت انداز میں لکھا گیا ہے۔ اس کے پڑھنے میں دل چسپی ہوتی ہے اور مزہ آتا ہے۔ بستی آپا کے بارے میں پڑھا۔ واقعی آج کے دور میں ایسے لوگ کہاں۔ تمام دوسری تحریریں بھی پسند آئیں۔

فوزیہ جیلانی قریشی، کراچی

■ جاگو جگاؤ، خیال کے پھول، پیتل کا لوٹا، تحفہ۔ نظموں میں ننھی چڑیاں پسند آئیں۔ شازیہ قدوس، حیدر آباد

■ پیتل کا لوٹا، نوجوان اور سانپ اور تین پڑوسی زیادہ اچھی تھیں۔ نونہال ادیب اور مستقل سلسلے بھی پسند آئے۔

محمد امجد محسن، بہاول پور

■ ہمیشہ کی طرح سارا نونہال ہی لاجواب تھا۔

نازیہ ثمرین، گلشن اقبال

■ نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ اس میں میرے مطلب کی تمام چیزیں موجود ہیں۔ حمیرا ادم، اورنگی ٹاؤن

■ اکتوبر کا پورا شمارہ بے حد پسند آیا۔

سید نجم الحسن عابدی، ڈرگ کالونی

■ اتنی مہنگائی میں اتنا اچھا اور معلوماتی رسالہ جس میں ہر قسم کی ادبی، دینی اور معلوماتی باتیں ہوتی ہیں۔

محمد اختر

■ پیتل کا لوٹا اور میلے میلے نوٹ بہت عمدہ تھیں۔ لطیفے نئے بھی تھے پرانے بھی۔ عتیق الرحمٰن، کراچی

■ سرورق بہت خوب صورت تھا تمام کہانیاں بہت پسند آئیں، خاص طور پر جان صاحب، یوں بھی ہوتا ہے، الو کا کھلونا، اور بادشاہ اور شہزادہ کہانیاں بہت ہی دل چسپ تھیں۔

سعدیہ ضیا، سعودی عربیہ

■ نونہال کو میں اس قدر پسند کرتی ہوں کہ آپ اگر تصور کریں تو بھی آپ میری پسند کو نہیں پہچان پائیں گے۔ اس دفعہ بھی جاگو جگاؤ حسبِ معمول بہت اچھا تھا۔ پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کے نیک جذبات و خیالات ملک کے ہر نونہال اور ہر شہری کے لیے مفید ہیں۔ عالیہ سرور قاضی، حیدر آباد

■ برکاتی انکل آپ نے لکھا کہ "خاص نمبر نونہالوں کو پسند آئے یا نہیں آئے" کیوں کہ آپ لوگوں نے اس میں بڑی محنت کی ہے۔ برکاتی انکل آپ لوگوں کی محنت رائیگاں نہیں گئی بلکہ یہ خاص نمبر پچھلے دو خاص نمبر سے بہت اچھا رہا۔ دادا ابا کی کتاب بھی سبق آموز تھی۔ عربی کا سبق بھی بہت اچھا تھا۔ یحییٰ محی الدین، کراچی

■ کہانیاں اور نظمیں ٹھیک تھیں۔

محمد جاوید عبدالغفور، کراچی

■ مجھے نونہال اتنا پیارا ہے کہ جب تک اسے پورا نہ پڑھ لوں مجھے چین نہیں آتا۔ نونہال میں جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اور برکاتی صاحب کا میلے میلے نوٹ بہت اچھے مضامین تھے۔

فضل ہادی، مینگورہ سوات

■ نونہال اپنی سابقہ رعنائی کے ساتھ ملا۔ بہت خوب صورت کہانیاں ہیں۔ انصار احمد خانزادہ، سکرنڈ

■ ہم اتنی چاہت سے آپ کو خط لکھتے ہیں مگر آپ ہیں کہ ہمارے فن پارے اور بنائے ہوئے کارٹون وغیرہ ہضم کر جاتے ہیں۔ ملک اشفاق حسین، چھوں والا

> میاں اشفاق: فن کی پہلی شرط ادب ہے۔ کیا اپنے سے بڑوں کو اس طرح لکھتے ہیں۔ دوسرے آپ نے پتا نہیں لکھا، جو اخلاق کا تقاضا بھی ہے اور بزم میں جگہ کی کمی ذاتی سوال و جواب کی اجازت بھی نہیں دیتی۔

■ نونہال کا معیار بڑھتا جا رہا ہے۔ ٹائٹل بھی پسند آیا۔

رئیس احمد قدیر، اورنگی

■ خاص کر جاگو جگاؤ، زمین کی بہن زہرہ، بستی (آپا اماں اللہ خان شیروانی)، پیتل کا لوٹا (میم ندیم)، پہاڑ کبھی نہیں ملتے (فہمیدہ عتیق) نوجوان اور سانپ (علی اسد) تین پڑوسی (مناظر صدیقی) خوش بو کی تلاش (معراج) اور میلے میلے نوٹ (برکاتی) تو بہت ہی اچھی اور متاثر کُن تحریریں تھیں۔ محمد اشرف ناز، اجینا نوالہ

■ دوسرے رسالوں میں تو دو دو تین تین قسط وار کہانیاں شائع ہوتی ہیں جب کہ اس میں ایک بھی قسط وار کہانی شائع نہیں ہوتی اور لطیفے بھی گھسے پٹے شائع ہوتے ہیں اور اب تو نونہال دن بہ دن معیار سے اترتا جا رہا ہے۔ عبدالقیوم قریشی، سانگھڑ

■ اکتوبر کا شمارہ بہترین تھا۔ سب کالم اچھے تھے۔

کلیم احمد کھوکھر، گھوٹکی سندھ

■ یادگار تحفہ اور خوش بو کی تلاش کہانیاں پسند آئیں۔

ڈبلیو۔ اے۔ شرجیل، گھوٹکی

■ آپ نے مستقل پڑھنے والوں کے لیے جو انعام رکھا ہے اس کا سلسلہ بند کر کے مستقل پڑھنے والوں پر ظلم کر رہے ہیں کیوں کہ ہم تو ہر ماہ کا کوپن سنبھال کر رکھتے ہیں اور سال ختم ہوتے پر انعام حاصل کریں گے۔

> ایک سال تک اسی لیے کوپن شائع کر دیا کہ ۱۲ کوپن جمع کیے جاسکیں۔

■ نوجوان اور سانپ (علی اسد) اور خوش بُو کی تلاش (معراج) اور لطیفے بہت مزے دار تھے۔ نعمان ارشد، جوہر آباد

■ نونہال بہت عمدہ رسالہ ہے۔ تمام کہانیاں عمدہ ہوتی ہیں۔
سعدیہ فرحت، کراچی

■ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں "پیتل کا لوٹا"، "پہاڑ کبھی نہیں ملتے"، یادگار تحفہ، نوجوان اور سانپ، "تین پڑوسی" دل چسپ تھیں۔ لطیفے مزے دار تھے۔ نظمیں سب ہی اچھی تھیں۔ اور نونہال ادیب میں سے "انوکھی شرطیں"، "اخباروں کی سرخی" کہانیاں اچھی تھیں۔ طیبہ شوکت، رحیم یار خاں

■ محمد اسحاق انجم صاحب کے لطیفے کے شروع میں چھاپہ بردار کو چھاتہ بردار لکھا گیا ہے۔ اگر چھاتہ بردار درست ہے تو اس فوج کے بارے میں کچھ بتائیں۔ ضیاء آگرو، حیدر آباد

> چھاتہ بردار ہی صحیح ہے۔ یہ فوج کا ایک حصہ ہوتا ہے۔

■ نونہال ہمارے لیے تفریح و تعلیم کا بہترین ذریعہ ہے۔ میرزا ادیب کی کہانیوں میں ایک خاص قسم کی کشش ہے۔
محمد منظر بخاری، شاہدرہ

■ کہانیاں سب اچھی تھیں خاص طور پر تین پڑوسی۔ کیا میں کہانی کا ترجمہ کر کے بھیج سکتی ہوں۔ لبنیٰ اسلم، نواب شاہ

> اگر اچھا ترجمہ کر سکو تو بھیج دو، مگر ۴۔۵ مہینے کے بعد۔

■ ایک دفعہ میں بازار سے گزر رہا تھا تو میں نے یونہی نونہال رسالہ خرید لیا۔ پڑھا تو واقعی اس کے اندر دل چسپ کہانیاں تھیں۔ ان شاء اللہ پڑھتا رہوں گا۔ ایم رشید مغل، لودھراں

■ تحفہ میں "اب گھوڑوں کی ضرورت نہیں" کے عنوان سے جو تحفہ چھپا ہے اس کے آخر میں لکھا ہے، "اور اب پاک چین دوستی کا راستہ کھلے گا"۔ جب کہ اس کی جگہ یہ ہونا چاہیے، "اور پاک جاپان دوستی کا راستہ کھلے گا"۔ سید شہزاد حسین، کراچی

■ خیال کے پھول اور تحفے خوب رہے۔ جناب علی اسد کی کہانی نوجوان اور سانپ اور جناب معراج کا مضمون خوش بُو کی تلاش عمدہ رہا۔ یحییٰ خان بلوچ، کراچی

■ اکتوبر میں صفحہ ۳۸ پر مضمون "ادب کیا ہے" شائع کیا ہے اس میں میتھو آرنلڈ فرماتے ہیں کہ "وہ تمام علم جو کتابوں کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا "اب" کہلاتا ہے"، جب کہ اس کی جگہ لفظ ادب ہونا چاہیے تھا۔ شفیق الرحمان گرزور، حیدر آباد

> واقعی ادب کی دال دب گئی تھی۔

■ سنو، میرا نام ہمدرد نونہال ہے۔ میں ہر مہینے تم سب نونہالوں کے لیے لاتعداد "تحفے" لاتا ہوں۔ میری بزرگی کا اندازہ تم اس طرح لگا سکتے ہو کہ میری "پہلی بات"، ہی نونہالوں کے لیے "جاگو جگاؤ" کا کام انجام دیتی ہے اور دوسری جانب میں "معلومات عامہ" کا ذخیرہ ہوں۔ میری دعا ہے کہ تم سب میرے "خیال کے پھولوں" کو سونگھ سکو اور سدا "مسکراتے رہو"۔ میں تم سب "صحت مند" نونہالوں سے توقع رکھتا ہوں کہ تم سب میری خوب صورت تحریریں پڑھ پڑھ کر اور اپنی ننھی تحریریں شائع کراتے کراتے ایک دن "نونہال ادیب" سے بڑے ادیب بن جاؤ گے۔ اس شمارے میں دیکھو معراج صاحب کی کہانی "خوش بُو کی تلاش"، مسعود احمد برکاتی صاحب کا مضمون "میلے میلے نوٹ" اور اکبر حیات صاحب کا مضمون "مور" اور ایک سائنسی مضمون "زمین کی بہن۔ زہرہ"، کتنے دل چسپ اور مزے دار ہیں۔ جناب فیض لودھیانوی صاحب نے اس ماہ میرے اوپر ہی ایک نظم لکھ دی ہے۔ بہت بہت شکریہ فیض صاحب کیسی مزے دار نظم ہے۔ مجیب ظفر انوار، کراچی

■ بزمِ نونہال میں میرا خط چھپتا ہی نہیں ہے۔ شاید مجھ سے ناراض ہیں۔ پرنس ہاشم غوری، سانگھڑ

> نہیں میاں غوری، ہم کسی سے ناراض نہیں ہوتے۔ ہمارا دل بڑا ہے، مگر جگہ کم ہے۔

■ حسبِ معمول پہلے جاگو جگاؤ جیسے سچے موتی جیسے الفاظ سے

دامن بھرا۔ پہلی بات پڑھی اور آپ کی مشکلات کا اندازہ ہوا۔ اس کے بعد محترمہ وحیدہ نیم نے چاندنی سے نہایت ہلکے پھلکے انداز میں متعارف کروایا۔ معراج صاحب کی "خوش بو کی تلاش" پسند نہیں آئی۔ اور محترمہ فہمیدہ عتیق صاحبہ کی "پہاڑ کبھی نہیں ملتے"، میری سمجھ سے باہر تھی کہ آخر اس تحریر میں مصنفہ کیا بات کہنا چاہ رہی تھیں۔ "میلے میلے نوٹ" (مسعود احمد برکاتی) نے تو اکتوبر کے شمارے میں چار چاند لگا دیے۔ اتنے پھیلاؤ والے مضمون کو آپ نے جس سہل انداز سے ہم نونہالوں کو سمجھایا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ واقعی اگر ہم میلے نوٹوں کی طرح ان برائیوں کو قبول کرنے میں ہچکچائیں تو وہ وقت دور نہیں جب ہمارا پیارا پاکستان برائیوں سے پاک وصاف ہو جائے گا۔

سید عبدالعزیز عزمی، کراچی

■ اکتوبر کا شمارہ ہر لحاظ سے بہترین تھا۔ یقین جانیے پڑھ کر جو راحت محسوس ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ سب سے اچھی کہانی تین پڑوسی تھی۔ البتہ خاص نمبر نے بہت مایوس کیا۔ کوئی چیز ایسی نہ تھی جس پر تعریف کی جاسکے۔ دو کتابیں آپ نے دے کر اچھا تو کیا مگر آپ نے جو انعامی کہانی پر شرائط لگائیں وہ پسند نہیں آئیں۔ انعامی سوالات بھی ایسے نہیں تھے جو دل چسپی رکھتے ہوں۔ غزالہ منیر شیخ غزل، لاڑکانہ

■ لطیفے میں نشانہ باز کے بجائے نشہ باز لکھا ہوا ہے اور ایک جگہ ادب کے بجائے اب لکھا ہوا ہے۔ محمد فقیر شاہد، کمالیہ

■ خاص نمبر بہت اچھا تھا خاص طور پر کہانی سب سے کم عمر جاسوس بہت پسند آئی۔ سہیلیوں کی دعوت (محترمہ ہاجرہ بیگم) بہت پسند آئی۔ خاص نمبر بہت پسند آیا۔ اس دفعہ انعامی سوالات بھی مشکل اور آسان دونوں ملے جلے تھے۔ اختر احمد، انجم احمد، انوار احمد

■ (۱) کیا میں امریکن صدر کے بارے میں ایک کہانی کا ترجمہ کر کے بھیج سکتا ہوں۔ (۲) اس بہترین نونہال میں ایک کالم قلمی دوستی کا ہونا چاہیے، کیوں کہ اس طرح ذہین اور اچھے بچے ایک دوسرے سے دوستی کر کے اپنی معلومات اور علم میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

پرشوتم جاپانی، جیکب آباد

آپ نے اپنا پتا نہیں لکھا اس لیے ہم پر جواب دینا فرض نہیں ہے۔

■ نونہال ادیب میں انوکھی شرطیں۔ اخباروں کی سرخی، خوف ناک کہانیوں کی کتاب اچھی تھیں۔ نظموں میں "ننھی چڑیا" (تنویر پھول) "ہمدرد نونہال" (فیض لودھیانوی) "ننھا شاعر" (شفیق الرحمن شفق) پسند آئیں۔ عمران خان نیازی، چک

■ اکتوبر کا نونہال چمکتا دمکتا میرے ہاتھوں میں آیا اور میں نے جلدی سے پڑھ ڈالا چالاک خرگوش کتاب کی صورت میں مل جائے گی۔ اس کی قیمت کتنی ہوگی؟ رقیہ شاہین، ٹنڈو الہ یار

■ جاگو جگاؤ، خیال کے پھول، پیتل کا لوٹا، تین پڑوسی نے نونہال کو چار چاند لگا دیے۔ محمد ضیاء اللہ مکھا نوالہ، عیسیٰ خیل

■ زمین کی بہن زہرہ، نوجوان اور سانپ (علی اسد) خوش بُو کی تلاش (معراج) اور نظموں میں ہمدرد نونہال (فیض لودھیانوی) بہت زیادہ پسند آئی۔ وقار احمد تنہ بیلوی، ہری پور

■ کیا آپ کا رسالہ پاکستان کے علاوہ دنیا کے اور ملکوں میں جاتا ہے؟ اگر نہیں جاتا تو اسے دوسری جگہوں پر متعارف کروائیں تاکہ دوسرے لوگ بھی اس سے فیض یاب ہو سکیں۔

اعجاز احمد سومرو، ٹنڈو محمد خان

آپ کا نونہال دوسرے ملکوں میں بھی جاتا ہے۔

■ نونہال بہت مزے دار تھا۔ لطیفے اور کارٹون بہت پسند آئے۔ امداد علی دایو، روہڑی

■ نونہال اپنی مثال آپ ہے اور کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

محمد ارشد متقارب، ٹنڈو الہ یار

■ صفحہ ۸۱ پر دوسرے کالم میں "بلا بال" چھپ گیا ہے جب کہ بول بالا ہونا چاہیے تھا۔ کیا بارہ کے بارہ کوپن پُر کر کے بھیجیں یا صرف ایک ہی پر کتاب کا نام لکھنا کافی ہوگا۔ اور کیا بارہ کوپن اکٹھے پن کر کے بھیجیں؟ روبینہ شاہین، کراچی

ہاں صحیح بول بالا ہی ہے۔ بارہ میں سے ہر کوپن پر کتاب کا نام لکھ کر خط کے ساتھ پن کر دیجیے۔

■ اکتوبر کا نونہال سخت بور تھا۔ تمام کہانیاں سوائے محترم علی اسد اور میم ندیم کے بے سروپا اور لایعنی سی تھیں۔ لطائف بھی پرانے تھے۔ تحفے ٹھیک تھے۔ طارق عمران، جیکب آباد

■ جاگو جگاؤ میں حکیم محمد سعید صاحب بڑے خوب صورت انداز میں نصیحت کرتے ہیں جس سے پتھر سے پتھر دل پگھل جاتا ہے۔

محمد شاہد رزاق، کراچی

■ تمام مستقل سلسلے تو خیر رسالے کی آب و تاب قائم رکھے ہوئے ہیں مگر اس شمارے میں مضمون زمین کی بہن زہرہ اور مضمون مور پورے رسالے کی جان تھا۔ کہانیوں میں م۔ ندیم صاحب کی کہانی پیتل کا لوٹا، جناب امان اللہ صاحب کی بستی آ گیا اور مناظر صدیقی کی کہانی تین پڑوسی نے متاثر کیا۔ نظموں میں ہمدرد نونہال، چاندنی، ننھا شاعر خوب رہیں۔ صفحہ نمبر ۱۱ میں سطر چار میں ایک لفظ چپٹا لیتی تھیں کے بجائے چٹا لیتی ہونا چاہیے۔ ابنِ انشا کی غلط تاریخ وفات لکھی ہے۔ صحیح تاریخِ وفات ۱۱۔ فروری ۱۹۷۸ء بمقام لندن ہے۔

محمد شاہد اقبال صدیقی، اورنگی

> "چپٹانا" بھی صحیح ہے اور چٹانا بھی۔ ابنِ انشا کے انتقال کی تاریخ آپ نے صحیح لکھی ہے۔

■ آپ سرورق پر صرف بچوں کی تصاویر دیتے ہیں جب کہ آپ کے پاس بہت سے قدرتی مناظر کی تصاویر ہیں۔ آئندہ آپ کسی جانور یا سبزہ زار کی تصویر دے دیں۔

محمد حسن عامر بلوچ، گوادر

■ ٹائیٹل بہت اچھا تھا۔ ٹائیٹل بنانے والوں کو ہماری طرف سے مبارک باد دیں۔

جبیب احمد، شاہ رخ، ماہ رخ

■ جناب مسعود احمد برکاتی کا مضمون میلے میلے نوٹ بہت سبق آموز تھا۔ علاوہ ازیں تمام تحریریں بہت پسند آئیں۔

سرفراز درانی، راول پنڈی

■ واقعی یہ بچوں کے لیے مفید رسالہ ہے۔ سرورق پر قدرتی منظر کی تصویر دیا کریں۔

اے حمید، پیپلان

■ میں ہمدرد نونہال کا بہت پرانا شیدائی ہوں اور نونہال اب تو میری کم زوری بن گیا ہے۔ جیسے مٹھائی کھاتے دیکھ کر منھ میں پانی بھر آتا ہے اسی طرح میرے منھ میں نونہال کو دیکھ کر پانی آجاتا ہے۔

محمد ارشد قریشی، ٹنڈو جام

■ نونہال کا خاص نمبر پہلے سے بہت اچھا تھا۔ عربی کے دس سبق بہت مفید تھے۔

فوزیہ تحسین، کراچی

■ واقعی آپ کا نعرہ کام یاب رہا کہ نونہال کا ہر شمارہ خاص شمارہ۔

عبدالرزاق ندیم، کراچی

■ اکتوبر کا نونہال بہت پسند آیا۔ جس میں محترم حکیم صاحب کا جاگو جگاؤ، یادگار تحفہ، تین پڑوسی، اخبار نونہال بہت پسند آئے۔

سید عبدالوہاب بھن، بلوچستان

■ پہلی بات، جاگو جگاؤ، خوش بو کی تلاش، پیتل کا لوٹا اور نونہال ادیب بہت اچھا تھا۔

عاصم اظہر، روہڑی

■ خیال کے پھول، پیتل کا لوٹا، ننھا شاعر (نظم) میلے میلے نوٹ پسند آئے۔

ملک افتخار احمد شبنم، جلو موڑ

> ان نونہالوں کے نام جنھوں نے ہیں بہت اچھے اچھے خطوط لکھے، لیکن جگہ کی کمی کے باعث اُن کے صرف نام شائع کیے جارہے ہیں۔

کراچی:۔ محمد سلیم، احسن اختر، اویس احمد ملک، حمیرا ناز، محمد سہیل جمیل احمد، شکیلہ احمد اطہر علی، سلمان رضا، شکیل بھٹی، ذوالفقار علی، صفیہ ہاشم، محمد عمران اقبال، روبینہ فرید، رختاج دریا خان، محمد سہیل احمد، محمد سہیل خان، شمع کنول، عائشہ جبیں، پرنم جان، محمد ایوب، محمد نعیم فاضلانی، روبی حنیف اشرف الرحمٰن، شفیق الاسلام، زبیر ابراہیم، عمران حسن خان، فرحت سعید، محمد یونس حسین، محمد رفیق احمد سومرو۔ حیدر آباد:۔ محمد اشتیاق شیخ، نجم الحسن نیازی۔ میرپور خاص:۔ مبین جاوید، ندیم جاوید، نازیہ جاوید، قاضی محمد قاسم۔ ہری پور:۔ عبید الرحمان۔ لیہ:۔ ملک عاشق حسین اترا۔ ہارون آباد:۔ اشعر منور۔ گڑھی خیرو:۔ اسد اللہ آزاد۔ لاہور:۔ محمد ندیم اسلم، سمیعہ سعید۔ ہری پور:۔ آصف اقبال۔ گوجرانوالہ:۔ زوبیہ چوہدری۔ فیصل آباد:۔ سجاد جبیب۔ جیکب آباد:۔ اکبر علی بھٹی۔ جہلم:۔ محمد الیاس تبسم۔ روہڑی:۔ عاصم اظہر۔ لاڑکانہ:۔ کاشف وسیم۔ ٹنڈو الہ یار:۔ محمد یوسف قائم خانی۔

ہمدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ
ٹوتھ پیسٹوں کی طویل فہرست میں اس نئے نام کا اضافہ کیوں؟
اس لیے کہ صرف اسی میں
پیلو کے معجزانہ خواص شامل ہیں
پیلو، دانتوں کی مکمل صفائی اور مسوڑھوں کی صحت کے لیے مشرق میں صدیوں سے متعارف ہے۔
طویل تحقیق اور مسلسل تجربات کے بعد، اب جدید سائنس نے بھی حفظ دنداں کے لیے اس کے معجزانہ اثرات کو تسلیم کر لیا ہے۔ چوں کہ کسی دوسرے ٹوتھ پیسٹ میں پیلو شامل نہیں اس لیے پیلو فارمولے کے مطابق ایک نئے ٹوتھ پیسٹ کی ضرورت ناگزیر تھی جو ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ نے پوری کر دی۔
ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ دانتوں کو صاف اور مسوڑھوں کو مضبوط کرتا ہے اور امراضِ دہن سے محفوظ رکھتا ہے۔
صحتِ اسنان ـ صحتِ انسان
ہمدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ
فلورائیڈ کے ساتھ
Hamdard
PEELU TOOTH
ہمدرد
پیلو کے اوصاف
مسوڑھے مضبوط، دانت صاف
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

ہمدرد نونہال
دسمبر ۱۹۸۵ء
رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳

نزلہ، زکام اور کھانسی
سے محفوظ رہنے کی آسان تدبیر

سعالین شیشی کے علاوہ نئی اسٹرپ پیکنگ
میں اب پہلے سے زیادہ محفوظ۔

مناسب احتیاط برتئے۔ بروقت سعالین لیجیے

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں